ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
یکم دسمبر 2004ء — 17 شوال المکرم 1425ھ
www.tanzeem.org

اس شمارے میں

پاکستانی دریاؤں کی بندش

امریکہ اور یورپ کے اخلاقی زوال کی انتہا!

آہ کو بھی چاہیے اک عمر اثر ہونے تک

گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات

فطانی ایک بھولا بسرا ملک

پاکستان میں خواتین کے جرائد

بانیٔ تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دورۂ بھارت کی تفصیلات

مسلمان اگر دینی مدارس کے اثر سے محروم ہو گئے تو؟

لاہور آ کر میں نے پاک پٹن شریف (منٹگمری) کے مسلمانوں کی کیفیت اور اپنے ان احساسات کی رُوداد ڈاکٹر محمد اقبال کو سنائی۔ وہ پہلے تو حسب عادت میری باتیں سنتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُنہیں میرے احساسات سے ہمدردی ہے۔ پھر آنکھیں بند کر کے سوچنے لگے۔ جب میں اپنی کہانی سنا چکا تو فرمایا:

''جب میں تمہاری طرح جوان تھا تو میرے قلب کی کیفیت بھی ایسی تھی، میں بھی وہی کچھ چاہتا تھا جو تم چاہتے ہو۔ انقلاب ایسا انقلاب جو ہندوستان کے مسلمانوں کو مغرب کی مہذب اور متمدن قوموں کے دوش بدوش کھڑا کر دے''۔ پھر علامہ اقبال نے فرمایا: ''ان مکتبوں (مدرسوں) کو اسی حالت میں رہنے دو۔ غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی (مدرسوں) میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے، جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اُنہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو (800) برس حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور الحمرا اور باب الاخواتین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرے کا تاج محل اور دلّی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور اُن کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔

ماخذ: ''خون بہا''

تحریر: حکیم احمد شجاع

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیت 122 تا 127)

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ
هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾

''اُس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا' مگر اللہ اُن کا مددگار تھا' اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیئے۔ اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی اور اُس وقت بھی تم بے سروسامان تھے' پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (اور ان احسانوں کو یاد کرو) تاکہ تم شکر کرو۔ جب تم مؤمنوں سے یہ کہہ (کراُن کے دل بڑھا) رہے تھے کیا یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے؟ ہاں اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ کا) تقویٰ اختیار کرو اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعتہً حملہ کر دیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے جن پر نشان ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔ اور اس مدد کو اللہ نے تمہارے لئے (ذریعہٗ) بشارت بنایا۔ یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔ (یہ اللہ نے) اس لئے (کیا) کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ (جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں''۔

اور اے نبیؐ یاد کیجئے وہ وقت جبکہ صبح کو آپ اپنے گھر سے یعنی حضرت عائشہؓ کے حجرے سے نکلے اور پھر میدانِ اُحد میں آپ لوگوں کو اُن کے مورچوں میں بٹھا رہے تھے اور صف بندی کر رہے تھے۔ اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

اُس وقت اے مسلمانو! تمہارے اندر دو گروہ ایسے تھے کہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نامردی کا مظاہرہ کیا' اُن کے پاؤں لڑکھڑائے' حالانکہ اللہ تعالیٰ اُن کا پشت پناہ تھا اور اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ یہ دونوں گروہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ تھے۔ ان کے اندر وقتی سی ایک کمزوری آئی' جو بربنائے طبع بشری تھی مگر پھر وہ جم گئے۔ اس کے باوجود قرآن میں اس کا ذکر کر دیا گیا۔ اور وہ قبیلے اس پر فخر کرتے تھے کہ اُن کے بارے میں وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا کے الفاظ قرآن میں آئے ہیں۔ اس کے برعکس جو 300 بدبخت میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے تھے اُن کا ذکر بھی اللہ نے نہیں کیا۔ گویا وہ اس لائق بھی نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ ہاں آخر میں اُن کا ذکر indirectly آئے گا۔

اور مسلمانو! یاد کرو اللہ نے میدان بدر میں تمہاری مدد کی تھی جبکہ تم بہت کمزور تھے۔ 313 افراد کے پاس صرف 8 تلواریں' دو گھوڑے' 70 اونٹ تھے جبکہ کفار قریش کے پاس 100 گھوڑے اور 700 اونٹ تھے۔ لشکر بھی ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا تو اُس وقت اللہ نے تمہاری مدد کی تھی۔ پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا صحیح معنوں میں شکر ادا کر سکو۔

اے نبیؐ جب آپ اہل ایمان کو کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کا لشکر بھیج دے اور یہ کہہ کر آپ ﷺ اُن کو خوشخبری دے رہے تھے۔ گویا یہ آپ ﷺ کی دعا تھی جس کی قبولیت کا فوری اعلان کر دیا گیا۔ کیوں نہیں؟ اے مسلمانو! اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی روش پر گامزن رہو گے اور دشمن تم پر دفعتہً حملہ آور ہو جائے تو تمہارا پروردگار تین ہزار نہیں بلکہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرے گا جو نشان زدہ گھوڑوں پر آئیں گے۔ ہاں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں بشارت کے طور پر بتا دیا گیا ہے تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ مدد تو ہوتی ہی اللہ کی طرف سے ہے۔ فرشتوں کو بھیجنا بھی ضروری نہیں' وہ تو فرشتے بھیجے بغیر بھی مدد کر سکتا ہے' وہ تو کن فیکون کی شان رکھتا ہے' مگر تمہاری طبع بشری کے پیش نظر یہ خبر دی جا رہی ہے کہ اگر دشمن کا لشکر تین ہزار کا ہے اور وہ تم پر یک دم حملہ کریں تو تمہاری تین ہزار نہیں بلکہ پانچ ہزار فرشتوں کو بھیج کر مدد کی جائے گی۔ اللہ غالب ہے' حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ کافروں کا ایک بازو کاٹ دے یا انہیں ذلیل کر دے تاکہ وہ پھر خائب و خاسر اور ناکام لوٹ جائیں۔

چودھری رحمت اللہ بٹر

کلامِ پاک کا حق

فرمانِ نبویؐ

عَن عُبَیدۃ المُلَیکی رَضِیَ اللّٰہ عنہ قال قال رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : ((یَا اَھْلَ الْقُرْاٰنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَاءِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاَفْشُوْہُ وَتَغَنَّوْہُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعْجَلُوْا ثَوَابَہٗ فَاِنَّ لَہٗ ثَوَابًا)) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا ہے: ''قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا۔ اور اُس کی تلاوت شب و روز ایسی کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ کلامِ پاک کی اشاعت کرو اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو اور اس کے معانی میں تدبر کرو تاکہ تم فلاح کو پہنچو۔ اور اس کا بدلہ (دنیا میں) طلب نہ کرو کہ (آخرت میں) اس کے لئے بڑا اجر و بدلہ ہے۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیامِ خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ	25 نومبر تا یکم دسمبر 2004ء	جلد
44	11 تا 17 شوال المکرم 1425ھ	13

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ڈاکٹر عبدالخالق

مرزا ایوب بیگ۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک ...... 250 روپے

بیرونِ پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر

''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

پاکستانی دریاؤں کی بھارتی بندش

صدر جنرل پرویز مشرف اور وزیراعظم شوکت عزیز کے زیر صدارت اعلیٰ سطحی اجلاس منعقدہ 18 نومبر میں بھارت کو متنازعہ بگلیہار ڈیم کی تعمیر سے روکنے کے لئے تمام ممکنہ سفارتی اور قانونی طریقے استعمال کرنے پر اتفاق کیا گیا۔ سرکاری اعلان کے مطابق حکومت پاکستان کو ڈیم کے ڈیزائن سمیت بعض دوسرے معاملات پر بھی سخت اعتراض ہے۔ یہ مسئلہ دوطرفہ مذاکرات سے حل نہ ہوا تو عالمی ثالثی کا آپشن موجود ہے۔

اس اعلان کے ساتھ ہی سرحد پار سے یہ اطلاع بھی آئی ہے کہ بھارت نے دریائے نیلم پر بھی کشن گنگا ہائیڈرو پاور پروجیکٹ کی تعمیر تیزی سے شروع کر دی ہے۔ بھارت اس پروجیکٹ سے 330 میگاواٹ بجلی پیدا کرنا چاہتا ہے' جس کے لئے وہ دریائے نیلم کا پانی ذخیرہ کر رہا ہے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ بھارت شروع دن سے پاکستان کو ہر حیلے بہانے گزند پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ بھارت کو خوب معلوم ہے کہ پاکستان جغرافیائی لحاظ سے ایسے خطے میں واقع ہے جہاں قدرتی طور پر اسے پانی کی کمی کا سامنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1947ء میں قیام پاکستان کے ساتھ ہی بھارت نے پاکستان سے سیاسی' دفاعی اور معاشی محاذ کھولنے کے ساتھ ساتھ پانی کا محاذ بھی کھول دیا تھا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد جب بھارت نے مشرقی پنجاب سے پاکستان کی حدود میں داخل ہونے والے تین دریاؤں ستلج' بیاس اور راوی کا پانی روک لیا تو دونوں ملکوں کے درمیان پانی کی تقسیم کا تنازعہ سنگین صورت اختیار کر گیا تھا۔ دونوں ملکوں کے درمیان کئی سال تک مذاکرات ہوتے رہے بالآخر یہ تنازعہ عالمی ثالثی کے سپرد کیا گیا۔ اس سلسلے میں عالمی بنک نے کافی دلچسپی لی اور اُسی کی کوششوں کے نتیجے میں 9 ستمبر 1960ء کو کراچی میں ایک معاہدہ ہوا' جس پر صدر ایوب خان' پنڈت جواہر لال نہرو اور عالمی بنک کے نائب صدر اے بی ایلف نے دستخط کئے۔ یہ ''سندھ طاس معاہدہ'' کہلایا۔

اس معاہدے کے تحت ستلج' راوی اور بیاس کا پانی بھارت کو دے دیا گیا اور چناب' جہلم اور سندھ کا پانی پاکستان کے حصے میں آیا۔ اس معاہدے کے تحت بھارت پر یہ پابندی عائد کی گئی تھی کہ بھارت پاکستان کے دریاؤں (سندھ' چناب اور جہلم) پر پن بجلی کی غرض سے بنائے جانے والے اپنے کسی بھی ڈیم میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش نہیں رکھے گا' لیکن بھارت نے ہمیشہ یہ پابندی توڑنے کی کوشش کی۔ بھارت چند سال سے دریائے جہلم پر وولر بیراج' دریائے چناب پر بگلیہار پروجیکٹ اور اب دریائے نیلم پر کشن گنگا پاور پروجیکٹ شروع کر چکا ہے۔ بھارت کی اس کارروائی کے نتیجے میں بگلیہار ڈیم میں تقریباً آٹھ ہزار کیوسک پانی کم ملے گا اور یوں پاکستان کی ربیع کی فصل خشک سالی سے متاثر ہوگی۔ بھارت کا سرکاری موقف یہ ہے کہ وہ اس ڈیم سے 450 میگاواٹ پن بجلی پیدا کرنا چاہتا ہے' مگر اس نے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس ڈیم میں پانی روکنے کے لئے ''واٹر گیٹ'' لگانا شروع کر دیتے ہیں تاکہ وہ دو لاکھ کیوسک پانی روک سکے۔

بھارت نے کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کا' چپکے چپکے ایک طریقہ یہ نکالا ہے کہ پاکستان کے ساتھ مسلح یا ایٹمی جنگ کی بجائے آبی جنگ لڑی جائے۔ بھارتی فوج کے ایک ریٹائرڈ جنرل کا یہ بیان توجہ طلب ہے کہ بھارت پانی کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے ایک گولی چلائے بغیر پاکستان کو تسخیر کر سکتا ہے۔ ''کالا باغ ڈیم'' اور دوسرے منصوبوں پر صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد کے اعتراضات کو بنیاد بنا کر بھارت عالمی برادری کو یہ تاثر دے رہا ہے کہ پاکستان ہر سال جو 30 ملین ایکڑ فٹ پانی سمندر میں ضائع کرتا ہے' اس پانی کو بھارت کو استعمال کرنے کی اجازت دی جائے۔

اور ہماری موجودہ حکومت ہے کہ کشمیر کا مسئلہ ہو یا پانی کا' بھارت کو دوطرفہ مذاکرات کی دعوت دیتی رہتی ہے۔ حالانکہ یہ دو مسئلے الگ الگ نہیں ہیں' بلکہ مسئلہ ایک ہی ہے۔ 1948ء کے اوائل میں جب بھارت نے دریائے سندھ کا رُخ تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی تو قائداعظم نے کشمیر سے آنے والے دریاؤں ہی کی وجہ سے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد 1949ء میں جب بھارت نے مشرقی پنجاب سے آنے والے تین دریاؤں کا پانی روک لیا تھا تو وزیراعظم لیاقت علی خان نے بھارت کو دھمکی دی تھی کہ اور اعلان کیا تھا کہ ہم پانی کے ایک ایک قطرے کی خاطر میدانِ جنگ میں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہانے کو ترجیح دیں گے''۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب پاکستان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ آج پاکستان ایٹمی طاقت ہے اور اُس کا سپہ سالار اعظم بھارت سے ہمہ وقت مذاکرات اور بالمشافہ گفتگو کی بھیک مانگتا رہتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اقوام متحدہ اور عالمی ثالثی کے آپشن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پانی جیسی قدرتی چیز کے حق کے لئے' جو کہ ہمارے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے' محض مذاکرات بے معنی بات ہے۔ اس قومی بنیادی حق کے لئے سرکاری آواز بہت بلند اور جرأت مندانہ اور اقدامات مردانہ وار اور باحوصلہ ہونے چاہئیں۔ (ادارہ)

یاسر عرفات کا انتقال

متحدہ عرب امارت کے صدر شیخ زاید بن النہیان کی وفات کے چند روز کے بعد ''الفتح'' اور ''تنظیم آزادیٔ فلسطین'' کے چیئرمین اور فلسطین اتھارٹی کے صدر ابو عمار یاسر عرفات کی رحلت عالم اسلام کے لئے اور خصوصاً فلسطینیوں کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے' جو چالیس برس سے اُن کی پُرعزم اور فعال قیادت میں آزاد فلسطین کے قیام کی جدوجہد میں سرگرم ہیں۔

محمد یاسر عرفات 24 اگست 1929ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام عبدالرؤف القدوئی (قدوہ) تھا' اور عبدالرؤف قدوہ کے والد یعنی یاسر عرفات کے دادا رحمن قدوہ ایک دولت مند آدمی تھے۔ وہ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر غزہ میں آباد تھے۔

یاسر عرفات بچپن ہی سے اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ یہودی دہشت گردوں کی تنظیموں کے خلاف برسرِکار رہے۔ 1948ء میں اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی۔

1952ء۔ مصر میں فلسطینی طلبہ کی یونین کے صدر منتخب ہوئے۔

1956ء۔ مصری فوج کے ساتھ مل کر نہر سویز کی جنگ میں حصہ لیا۔

1957ء۔ گریجویشن حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کویت چلے گئے اور وہاں ایک سکول ٹیچر صلاح خلف کے ساتھ مل کر 1959ء میں ''الفتح'' نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔

1964ء۔ الجزائر کے صدر احمد بن بیلا نے اپنے ملک میں الفتح کا بیورو قائم کرنے کی اجازت دے دی۔ مئی میں تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او) کے قیام کے لئے اردن کے زیر قبضہ مشرقی بیت المقدس میں کانفرنس منعقد ہوئی۔

دسمبر 1964ء میں ''الفتح'' کی ایک شاخ ''العاصفہ'' نے اسرائیل کے خلاف مسلح گوریلا جنگ شروع کردی۔

1967ء۔ عرب ممالک کی اسرائیل کے ساتھ جنگ ہوئی جو چھ روز جاری رہی۔ عرب اسرائیل جنگ کے بعد یاسر عرفات نے اسرائیل کے مقبوضہ علاقے میں خفیہ مراکز قائم کئے۔ اُن کی کامیاب کاروائیوں کا نتیجہ ہے کہ اسرائیل نے ان کو اپنا ''دشمن نمبر ایک'' قرار دیا۔

1969ء۔ 4 فروری کو یاسر عرفات ''تنظیم آزادیٔ فلسطین'' کی مجلسِ عاملہ کے چیئرمین منتخب ہوئے۔

1970ء۔ ستمبر میں فلسطینیوں اور اردنی فوج میں مسلح جھڑپیں ہوئیں اور ہزاروں فلسطینی ہلاک ہوگئے۔ یاسر عرفات کو اردن سے نکلنا پڑا۔

1974ء۔ 26 اکتوبر کو رباط میں عرب سربراہ کانفرنس منعقد ہوئی' جس میں یاسر عرفات کو فلسطینی عوام کی نمائندگی کے لئے واحد نمائندے کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ 13 نومبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے پہلی مرتبہ خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''میرے ایک ہاتھ میں زیتون کی شاخ ہے' اور دوسرے ہاتھ میں آزادی کی بندوق۔ میرے ہاتھ سے شاخ زیتون کو نہ گرنے دیا جائے''۔

1975ء' اپریل۔ لبنان میں خانہ جنگی پھوٹ پڑی اور عرفات کی فوجوں نے دائیں بازو کے عیسائیوں کے مخالفین کا ساتھ دیا۔

1980ء۔ 31 مئی کو ''الفتح'' کی جانب سے عرفات کو فلسطین لبریشن آرمی کا سربراہ مقرر کیا گیا اور وہ تحریک آزادی کے سیاسی اور فوجی رہنما بن گئے۔

1982ء۔ 30 اگست کو اسرائیل نے لبنان پر چڑھائی کی تو عرفات اور اُن کی فوج بیروت چلی گئی۔

1983ء۔ 24 جون کو یاسر عرفات کو شام سے اور پھر 20 دسمبر کو لبنان سے بھی نکال دیا۔ تب وہ تیونس چلے گئے۔

1985ء۔ اکتوبر۔ اسرائیل ہیلی کاپٹروں نے تیونس میں پی ایل او کے ہیڈکوارٹر پر حملہ کیا۔

1987ء' دسمبر۔ اسرائیل کے مقبوضہ علاقوں میں اسرائیل کے خلاف پہلی مسلح تحریک ''انتفادہ'' شروع ہوئی۔

1988ء' 15 نومبر۔ آزاد فلسطینی ریاست کا اعلان کیا گیا' جس کے سربراہ عرفات مقرر ہوئے۔ اس مقصد کے لئے ''فلسطین نیشنل کونسل'' کا اجلاس الجزائر میں ہوا۔

1990ء' جنوری۔ یاسر عرفات نے اپنی معاون 28 سالہ سوہا شاول سے شادی کی۔ تاہم عوام سے دوسال تک اس شادی کو چھپائے رکھا۔

1991ء' جنوری۔ پی ایل او نے خلیجی جنگ میں عراق کا ساتھ دیا۔ یوں عرفات عرب دنیا سے کٹ گئے اور اُن کی اقتصادی امداد بھی بند کردی گئی۔

1993ء' 13 ستمبر کو واشنگٹن میں اسرائیل کے ساتھ القدس اور غزہ کی پٹی کی خودمختاری کے معاہدے پر دستخط کئے اور اسرائیل کے وزیراعظم رابن کے ساتھ مصافحہ کیا۔

1994ء' 4 مئی کو رابن اور عرفات نے قاہرہ میں خودمختاری کے معاہدے پر دستخط کئے۔ اس پر ان دونوں رہنماؤں کو' بشمول اسرائیلی وزیر خارجہ شمعون پیرز کو امن کا نوبل انعام دیا گیا۔

1994ء' یکم جولائی کو یاسر عرفات 27 سال بعد فلسطین کی سرزمین پر واپس لوٹے' اور غزہ شہر میں ''فلسطین اتھارٹی'' قائم ہوئی۔

1998ء۔ 22 جنوری کو عرفات نے فلسطینی چارٹر کی تجدید نو کی' جس میں ''اسرائیل کی مکمل تباہی'' جیسے الفاظ ختم کردیئے گئے۔

1998ء۔ 5 ستمبر کو اسرائیلی وزیراعظم بارک اور یاسر عرفات نے مصر کے شہر شرم الشیخ میں قیامِ امن کے لئے مذاکرات کا راستہ اپنانے کے معاہدے پر دستخط کئے۔

2000ء' 21 مارچ کو اسرائیل نے مغربی کنارے کا کچھ علاقہ واپس کردیا اور یوں فلسطینیوں کو تقریباً 40 فی صد علاقہ مل گیا۔

2000ء' 25 جولائی۔ عرفات اور بارک کے درمیان کیمپ ڈیوڈ سربراہ کانفرنس تعطل کا شکار ہوگئی۔

2000ء' 29 ستمبر۔ اسرائیلی حزبِ اختلاف کے رہنما ایریل شیرون (جو آج کل وزیراعظم ہیں) نے مسجد الاقصیٰ کا دورہ کیا۔ اس موقع پر اسرائیل مخالف جنگ پھر شروع ہوگئی۔

2001ء' 3 دسمبر۔ اسرائیلی فوج نے عرفات کو رملہ میں محصور کردیا اور عرفات پر بیت اللحم میں کرسمس کی تقریبات میں شرکت پر پابندی لگادی۔

2002ء' 20 فروری کو غزہ میں اسرائیلی فوج نے عرفات کے ہیڈکوارٹر کو نشانہ بنایا۔

29 مارچ کو اسرائیلی فوج نے عرفات کے رملہ ہیڈکوارٹر کے بڑے حصے کو تباہ کردیا اور انہیں اُن کے ذاتی دفتر تک محدود کردیا۔

2003ء' 30 اپریل کو یاسر عرفات نے عالمی برادری کے دباؤ میں آکر پی ایل او کے ڈپٹی لیڈر محمود عباس کو پہلا وزیراعظم نامزد کیا۔ 4 جون کو امریکی صدر بش نے عرفات کے ساتھ کسی بھی رابطے کو مسترد کردیا۔ 7 ستمبر کو محمود عباس نے استعفیٰ دے دیا اور اُن کی جگہ پارلیمنٹ کے سپیکر احمد قریع وزیراعظم بنے۔ 18 ستمبر کو امریکی صدر بش نے فلسطینیوں سے کہا کہ وہ یاسر عرفات کو نکال باہر کریں' کیونکہ وہ بطور لیڈر ناکام ہوچکے ہیں۔

2004ء' 27 اکتوبر کو ڈاکٹروں اور فلسطینی حکام کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ یاسر عرفات کی حالت تشویشناک ہے۔ علاج کی غرض سے انہیں پیرس لے جایا گیا۔

2004ء' 11 نومبر' جمعرات' 27 رمضان المبارک 1425ھ کو پیرس کے ایک فوجی ہسپتال میں یاسر عرفات اللہ کو پیارے ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ قاہرہ میں پڑھائی گئی۔ رملہ میں القدس سے لائی ہوئی مٹی میں سپرد خاک ہوئے۔

امریکہ اور یورپ کے اخلاقی زوال کی انتہا!

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں محترم بانیٔ تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے 14 نومبر 2004ء کے خطاب عید کی تلخیص

امریکہ میں حالیہ الیکشن کا جو نتیجہ سامنے آیا ہے' اس سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ وہاں کے صرف حکمران ٹولے ہی کی عقل خراب نہیں ہوئی ہے بلکہ پوری امریکی قوم کی مت ماری گئی ہے۔ امریکہ اور اس کی پوری قوم اخلاقی زوال کی انتہا سے دوچار ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ فلسفہ بار بار بیان ہوا ہے کہ دنیا میں قومیں اٹھتی ہیں' انہیں طاقت اور غلبہ حاصل ہوتا ہے' ابتدا میں ان کی تہذیب اچھی ہوتی ہے اور وہ اخلاقی اصولوں کی بناء پر اُبھرتے ہیں جس سے ان میں ایک خاص حد تک طاقت جمع ہو جاتی ہے۔ لیکن ارتکاز قوت سے دماغوں میں خناس پیدا ہوتا ہے' جو فساد کا موجب بنتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کوئی زبردست کوڑا مار کر یا کسی عذاب کے ذریعے سے اس فساد کا علاج کرتا ہے۔ یہ عذاب لوگوں پر کبھی تو غیبی قسم کی قوت لاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی ایک کے ہاتھوں دوسری قوم کو ختم کرا دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے سورۃ الحج کی آیت 40 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً کچھ لوگوں کو دوسرے لوگوں کے ذریعے سے دفع نہ کرتا رہتا تو پھر دنیا میں سارے گرجے' راہب خانے' صلوٰت (یہودیوں کے کلیسا) اور مساجد ڈھے جاتیں''۔ یعنی ایک تہذیب اُبھرتی ہے' لیکن جب وہ مفسد بن جاتی ہے' تباہی اور بربادی لاتی ہے تو اللہ تعالیٰ پھر کسی قوم کو اٹھا کر اس قوم کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا سے دین اور مذہب کا خاتمہ ہو جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دورِ رسالت میں صلوٰت یہودیوں کی عبادت کا مرکز تھا' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دورِ رسالت آیا تو انہوں نے راہب خانے اور چرچ بنائے' پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ رسالت میں مساجد بنی ہیں۔ یہ سب اپنے اپنے وقت میں خدا پرستی کی علامتیں رہی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بالکل چھوٹ دے رکھتا کہ وہ جو چاہتی' کرتی تو پھر دنیا میں خدا پرستی کے سارے نشانات مٹا دیئے جاتے۔ سورۃ الفجر کی آیات 6 تا 14 میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: ''کیا تم نے دیکھا نہیں کیا کیا تھا آپؐ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ' وہ قوم ارم کہ جو بڑے بڑے ستونوں والی تھی۔ ان جیسے ستون تمام دنیا میں کسی نے نہیں بنائے تھے۔ اور (تم نے دیکھا نہیں) قوم ثمود کے ساتھ (اللہ تعالیٰ نے کیا کیا تھا) جنہوں نے وادی میں چٹانوں کو تراشا۔ اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ ان سب نے ملکوں کے اندر سرکشی کا بازار گرم کیا۔ ان میں بہت فساد پیدا کر دیا۔ تو ان سب پر آپؐ کے رب نے عذاب کا کوڑا مارا۔ یقیناً آپؐ کا رب گھات میں ہے''۔ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون سی قوم اخلاقی حدود کو پامال کر کے سرکشی کر رہی ہے' پھر وقت آئے گا کہ اس قوم پر اللہ کے عذاب کا کوڑا پڑے گا۔ قوم عاد کے بارے میں سورۃ الشعراء کی آیت 130 میں کہا گیا: ''اور جب (کسی قوم پر) ہاتھ ڈالا تو بڑے ظلم سے''۔

آج ان آیات کا مصداق امریکہ ہے۔ پوری دنیا میں عدل و انصاف کے جو مسلّمہ اصول ہیں' اُن کی رُو سے آج تک اسامہ کا کوئی جرم ثابت نہیں ہوا۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ گیارہ ستمبر 2001ء کو امریکہ میں جو کچھ ہوا تھا' اس کی کوئی تحقیق نہیں کی گئی۔ بغیر کسی تحقیق اور ثبوت کے سارا بوجھ اسامہ اور القاعدہ پر ڈال دیا گیا۔ اتنی پڑھی لکھی قوم کا یہ حال ہے! کوئی اُن سے اس حادثے کا سبب دریافت نہیں کرتا۔ اتنا بڑا واقعہ کس ذریعے سے ہوا ہے؟ امریکہ کے پائیلٹس کی ایسوسی ایشن کہتی ہے کہ چھوٹے جہازوں کے اوپر تربیت حاصل کرنے والے نوجوانوں کے لئے ایسا کرنا ناممکن ہے کہ وہ جیٹ جہازوں کو لے جا کر اتنے صحیح نشانے پر ہٹ کر دیں۔ یقیناً انہیں گراؤنڈ سے سپورٹ تھی۔ اسی لئے وہاں پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں' ویب سائٹس کے اوپر سب کچھ آ رہا ہے۔ لیکن ذرائع ابلاغ نے پوری قوم کی مت مار رکھی ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ ایک شخص بہت بڑا عالم تھا لیکن پھر بھی اللہ نے اسے گمراہ کر دیا۔ اسی طرح امریکی قوم بھی بہت پڑھی لکھی ہے' لیکن اس کے باوجود گمراہی کا یہ عالم ہے کہ کوئی سوچتا نہیں کہ یہ حادثہ ہوا کیسے! سب سے بڑی بات یہ کہ پنٹاگون میں جو ایک ہول ملا ہے' اس میں سے کوئی جہاز تو داخل ہی نہیں ہو سکتا' نہ جہاز کا ملبہ کہیں ملا ہے۔ یہ صرف فکشن ہے' اور کچھ بھی نہیں۔ اس کے باوجود افغانستان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ وہاں طالبان کی اسلامی حکومت ختم ہوئی' وہ ہمارا صدمہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہیں موقع ملتا تو وہ اسلام کے عادلانہ نظام کی ایک مثال دنیا کے سامنے پیش کر دیتے۔ طالبان نے تو سرے سے کوئی جرم کیا ہی نہیں تھا' لیکن پھر بھی انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اُسامہ تو آج تک اُن کی پکڑ میں نہیں آیا۔ القاعدہ تو ابھی تک جنگ کر رہی ہے۔ لہٰذا یہ سارے کا سارا فراڈ یوں سمجھئے کہ امریکہ کے اخلاق کا جنازہ نکلنے کی ایک علامت ہے۔

عراق کے صدر صدام حسین کے حوالے سے امریکی صدر بش نے خود مانا کہ القاعدہ سے اس کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہو سکا۔ اقوام متحدہ کے انسپکٹر وہاں گئے تھے' انہوں نے بھی یہی کہا اور خود امریکہ کے جو سرکاری انسپکٹر گئے انہوں نے بھی یہی کہا کہ کہیں ایسے شواہد نہیں ملے کہ وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار (WMD) اس کے پاس ہوں۔ اور پھر ساری حقیقت معلوم ہوگئی۔ برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر کو پارلیمنٹ کے اندر جواب دہ ہونا پڑا۔ چنانچہ یہ سب کچھ فراڈ ہو رہا ہے۔ اس صورت میں تو صدر بش کو کسی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونا چاہئے تھا! جب کوئی قوم ابھرتی ہے تو وہ اخلاق اور عدل و انصاف کے اصولوں پر عمل پیرا ہوتی ہے۔ برصغیر میں دو سو برس قبل جنگ پلاسی ہوئی تھی' جس کا فاتح لارڈ کلائیو تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اسی سے ہندوستان میں انگریز راج کا آغاز ہوا' اس کی غلط حرکتوں کے باعث برطانوی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اس کو سزا دی گئی۔ اُس وقت برطانیہ بڑی بلندی پر تھا۔ لیکن پھر اسی برطانیہ نے پہلی جنگ عظیم میں بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے ظلم عظیم کا ارتکاب کرتے ہوئے فلسطین کے اندر یہودیوں کو آباد ہونے کا حق دے دیا۔ آج فلسطینیوں کا وہ لیڈر جس نے پہلے گوریلا جنگ کے ذریعے اور پھر سیاسی سطح پر اس سارے معاملے کو روکنے کی انتہائی کوشش کی تھی' زیر زمین دفن ہو چکا ہے اور اسرائیلی کیمپ میں خوشیاں منائی جا رہی ہیں کہ اب ہمیں کوئی روکنے والا نہیں۔ اب ہم جو چاہیں گے' کریں گے —— لیکن بالفور ڈیکلریشن کے ذریعے سے انگلستان نے ثابت کر دیا کہ اس کا اخلاقی دیوالیہ نکل گیا ہے۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ سلطنت جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا' خود غروب ہوگئی۔ اب اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں!

آج اسی جگہ پر امریکی قوم کھڑی ہوگئی ہے۔ اخلاقی زوال کی انتہا یہ ہے کہ ہم جنسیت کی صورت میں خلاف فطرت عمل کھلم کھلا کیا جا رہا ہے اور ایسی شادیاں باقاعدہ رجسٹر ہو رہی ہیں۔ جنسی اعتبار سے یہ اخلاقی زوال کی انتہا ہے۔ یورپ میں اگرچہ رومن کیتھولک مذہب ابھی کچھ مضبوط ہے جو کہ عیسائیوں میں قدامت پسندوں کی نمائندگی کرتا ہے— چنانچہ کچھ عرصہ قبل پوپ کا مضمون بھی آیا تھا کہ اسقاط حمل گناہ ہے— لیکن اب اس قوم کا بھی وہی حال ہوگیا ہے۔ یورپین یونین کے نئے صدر نے جو پچاس کمشنر مقرر کئے تھے' ان میں ''کمشنر آف جسٹس'' اطالوی تھا۔ اس کے دو بیانات کے خلاف یورپ والوں نے اتنا طوفان اٹھایا ہے۔ ایک تو اس نے ہم جنس پرستی کو گناہ کہا تھا۔ دوسرے اس نے یہ کہا تھا کہ لڑکیوں کا شادی کے بغیر ماں بن جانا ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ یہ دو باتیں کہنے کی وجہ سے اس کی اتنی مخالفت کی گئی کہ نہ صرف اس نے استعفیٰ دے دیا بلکہ یورپین یونین کے صدر نے کمشنرز کی پوری لسٹ واپس لے لی اور کہا کہ میں تمام کمشنراز سرنو نامزد کروں گا۔ جنسی اعتبار سے یورپ اور امریکہ کا یہ حال ہوگیا ہے! قرآن مجید میں قوم لوطؑ سے پہلے کی اقوام کو عذاب دینے کے ذکر میں ہمیشہ شرک کا بیان ہوا ہے' لیکن قوم لوطؑ کی مذمت صرف ہم جنسیت کے باعث ہے۔ فرمایا گیا کہ تم اپنی مجلسوں کے اندر اس برے کام کا ارتکاب کرتے ہو۔ پھر ان دونوں شہروں کا یہ حشر ہوا کہ پتھروں اور آگ کی بارش ہوئی۔ ایک انسان بھی نہیں بچا۔ چونکہ حضرت لوطؑ کی بیوی بھی اس قوم سے ملی ہوئی تھی اس لئے اللہ نے کہا کہ اس کو بھی پیچھے چھوڑو۔ اس کے اوپر وہی عذاب آئے گا جو پوری قوم کے لئے ہے۔ حضرت لوطؑ صرف اپنی دونوں بیٹیوں کو لے کر نکلے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ دونوں شہروں میں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان گھر نہیں تھا۔ جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو اللہ کا عذاب آتا ہے۔

میرے نزدیک اب امریکہ اس مقام پر پہنچ گیا ہے۔ وہ طاقت کے نشے میں اس طرح دھت ہو چکا ہے جیسے کوئی بپھرا ہوا ہاتھی۔ اس کو کسی اصول سے کوئی بحث نہیں۔ عالمی عدل وانصاف کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ فلسفہ اپنا لیا گیا ہے کہ اگر ہمیں کسی ملک کی طرف سے ذرا بھی اندیشہ ہوا تو ہم حملہ کر دیں گے' چاہے اس کی طرف سے کوئی اقدام ہو یا نہ ہو۔ اقوام متحدہ کا ادارہ خود امریکہ نے بنایا' لیکن آج اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس کا سیکرٹری جنرل بھی امریکہ کے خلاف بول رہا ہے کہ عراق کی جنگ بلاوجہ شروع کی گئی۔ درحقیقت اس کی وجہ ہے' لیکن اس کو بیان کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سارا کچھ اصل میں تو گریٹر اسرائیل بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔ ایریل شیرون نے صاف کہہ دیا تھا کہ عنقریب عراق پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ اب شام اور لبنان کی باری شروع ہونے والی ہے' البتہ ایران کے بارے میں ذرا سوچنا پڑے گا۔ اس وقت فلوجہ میں جو کچھ ہو رہا ہے' دنیا میں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیا جرم ہے ان لوگوں کا؟ کیا جرم تھا صدام حسین کا؟ کوئی جرم ثابت کیا تم نے؟ ذرائع ابلاغ جو سبق پڑھا دیں' وہ پڑھ لیتے ہیں۔ میرے نزدیک آج امریکہ سے زیادہ جاہل قوم کوئی نہیں۔ سب چینلز یہودیوں کے قبضے میں ہیں' وہ جو پڑھا رہے ہیں بس وہی امریکیوں کی زبان پہ آتا ہے۔ لہٰذا اخلاقی زوال کی انتہا سے یوں سمجھئے کہ درحقیقت امریکہ کے زوال کا آغاز ہوگیا ہے۔ تھوڑا سا وقت لگے گا' لیکن زمین سے کوئی نہ کوئی طاقت اٹھے گی جو امریکہ کے غرور کا سر نیچا کر دے گی۔ یا پھر اللہ کی طرف سے کچھ آ جائے گا' جیسے خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے آنے والے اصحاب فیل کو ننھی ننھی چڑیوں کے ذریعے ختم کر دیا گیا تھا۔ جس حد تک امریکی قوم جا چکی ہے' ایسے میں اللہ کا عذاب بھی آ سکتا ہے۔

تاہم اس سے پہلے ہم مسلمانوں کی شامت آنی ہے۔ آج ہم بھی ایک ایسی قوم بن چکے ہیں جس میں خیر نہیں رہا بلکہ شر ہی شر ہے۔ پوری دنیا میں ڈیڑھ سو کروڑ مسلمان نام کے لوگ آباد ہیں' لیکن کہیں اسلام کا نظام نہیں ہے۔ عرب ممالک خاص طور پر سب سے بڑے مجرم ہیں کہ ان کی تو مادری زبان میں قرآن موجود ہے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں' لیکن پھر بھی عمل نہیں کرتے۔ کسی نے اللہ کے دین کو نافذ نہیں کیا۔ چنانچہ آج سب سے بڑی ذلت اور رسوائی ان پر آئی ہے۔ دوسرے نمبر پر ہم مسلمانانِ پاکستان مجرم ہیں۔ عذاب الٰہی کا ایک کوڑا ہم پر بھی پڑ چکا ہے۔ اسے بھول جائیں تو اور بات ہے! 1971ء میں ہمارے ترانوے ہزار قیدی اس ہندو کے ہاتھ میں گئے تھے جس پر ہم نے سینکڑوں برس حکومت کی تھی۔ کوئی عجب نہیں کہ اب اس سے بڑا کوڑا بھی پڑ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گھات میں ہے اور دیکھ رہا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے دعا کی تھی کہ اے اللہ ہمیں انگریز اور ہندو کی دوہری غلامی سے نجات دے تو ہم تیرے دین کا بول بالا کریں گے۔ یہ دعا قبول ہوئی اور پاکستان بن گیا۔ یہ اللہ کا معجزہ تھا۔ رمضان کی ستائیسویں شب قرآن نازل ہوا تھا' وہی نزول پاکستان کی شب ہے۔ لیکن ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ ہم اس کے حقدار اور مستحق نہیں تھے۔ قائداعظم نے کہا تھا کہ: ''اللہ نے ہمیں ایک سنہری موقع دیا ہے کہ ہم ایک نئی ریاست کی بنیاد رکھیں۔ دیکھنا کہیں دنیا یہ نہ کہے کہ وہ قوم اس کی اہل ثابت نہیں ہوئی''۔ جبکہ آج دنیا یہی کہہ رہی ہے۔ چند روز پہلے بیرسٹر فاروق حسن کا ایک مضمون شائع ہوا ہے' جو انہوں نے ہندوستان کے دورے سے واپسی پر تحریر کیا ہے۔ وہ وہاں قانون کے لیکچرز دینے کے لئے گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں جن دانشوروں' صحافیوں اور وزراء وغیرہ سے ملاقات ہوئی' سب نے یہی کہا کہ پاکستان کے ایک علیحدہ ملک ہونے کا جواز کیا ہے! جو نظام ہمارا ہے' وہی تمہارا ہے۔ اگر پاکستان میں مسجدیں ہیں تو ہمارے ہاں بھی مسجدیں ہیں جہاں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں۔ بی جے پی نے تو چند ایک مسجدوں کو ٹارگٹ کیا ہے' باقی ہزاروں مسجدیں تو آباد ہیں۔ وہی بینکنگ کا نظام ہمارے ہاں' وہی تمہارے ہاں۔ وہی کیپٹلزم ہمارے ہاں' وہی تمہارے ہاں۔ بلکہ پاکستان میں تو جاگیرداری کی صورت میں ایک اور بڑی لعنت بھی مسلط ہے۔ بیرسٹر فاروق حسن نے لکھا ہے کہ میں ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ انہوں نے اس سوال کو پوری قوم کے سامنے رکھ دیا ہے کہ اگر نظام یہی ہے تو پاکستان کس لئے بنایا تھا!

بہرحال مجھے یقین نہیں ہے کہ پاکستان پر وہ بڑا عذاب آئے گا' تاہم اندیشہ ہے۔ اس کے ساتھ یہ امید بھی ہے کہ شاید اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کوئی ایسے حالات پیدا کر دے کہ پاکستان اور افغانستان ایک وحدت ہو جائیں اور ان دونوں ملکوں میں نظام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہو جائے۔ لیکن اس کے لئے ہر شخص کو کام کرنا ہوگا۔ پہلے انفرادی طور پر توبہ کیجئے کہ اپنی گھریلو زندگی میں اور اپنی معاش کے اندر کوئی پہلو حرام کا نہ ہو۔ پھر ایک فرد سے بیعت کر کے جماعت بنئے کہ جو کہو گے' کریں گے۔ اگر ایسے چند لاکھ افراد پاکستان میں سامنے آ جائیں تو یہاں انقلاب آ سکتا ہے۔ اس طرح یہ ملک جس مقصد کے لئے بنا تھا' گویا کہ وہ خواب پورا ہو جائے گا۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے!

(تلخیص: محمد خلیق)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جس وقت کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے میں فلاں شخص کو محبوب سمجھتا ہوں' جبرائیلؑ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ وہ پھر آسمان میں ندا کرتا ہے تم سب بھی اس شخص کو دوست رکھو۔ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کے لئے قبولیت رکھ دی جاتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو برا سمجھتا ہے تو جبرائیلؑ کو بلاتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو برا سمجھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ۔ وہ اس سے بغض رکھتا ہے پھر جبرائیلؑ آسمان میں پکارتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو مبغوض رکھتا ہے تم بھی اسے بغض رکھو۔ وہ اس سے بغض رکھتے ہیں پھر زمین میں اس کے لئے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔ (مسلم)

آہ کو بھی چاہیے اک عمر اثر ہونے تک

ایوب بیگ مرزا

یورپ کے ایک ملک کے ساحل پر ایک گائے دلدل میں پھنس گئی۔ ایک طوفان کھڑا ہو گیا save the cow, save the cow کا ہر طرف شور مچ گیا۔ یہ کوئی مقدس گائے نہیں تھی لیکن کیونکہ جان بڑی قیمتی شے ہے اور اہل یورپ کسی بھی جان کا ضائع ہونا بہت بڑا جرم تصور کرتے ہیں لہٰذا پالتو جانوروں کے لئے ہی نہیں جنگلی جانوروں اور درندوں کی حفاظت کے لئے بھی تنظیم قائم ہیں۔ ان تنظیم اور انجمنوں کے پاس وافر مالی وسائل ہیں اور مرد و زن ان انجمنوں میں اپنا قیمتی وقت بھی لگاتے ہیں اور جہاں کہیں کسی جانور سے زیادتی ہو قانونی کارروائی کرتے ہیں میڈیا کے ذریعے اس زیادتی کو خوب اجاگر کرتے ہیں یہاں تک کہ ریلی اور جلوس نکالنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں تاکہ جانوروں سے زیادتی کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جاسکے ظاہر ہے ایسے ماحول میں انسانی جان کی قدر کتنی ہوگی۔

سکول کے بچے سڑک کراس کر رہے ہوں تو تیز رفتار گاڑیاں جام ہو جاتی ہیں۔ ایمبولینس اور ہسپتال کی گاڑیوں کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ان کے لئے فوراً راستہ بنا دیا جاتا ہے۔ ہسپتالوں میں ہر مریض سے v.v.i.p سلوک ہوتا ہے اور ہر مریض کی جان بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ حکومت بہترین پیشہ ور افراد اور وافر مالی وسائل مہیا کرتی ہے قصہ مختصر ایک ایک جان بچانے کے لئے جان توڑ محنت کی جاتی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمدردی کا ایسا زبردست جذبہ رکھنے والی یہ سفید فام قوم خونِ مسلم کو اتنی بے دردی اور بے رحمی سے بہاتی ہے کہ ماضی قریب اور بعید کی تاریخ اس کی مثل کوئی خونریزی اپنے اوراق میں ظاہر نہیں کرسکی۔

حالیہ جنگ و جدل کا سلسلہ نائن الیون سے شروع ہوا۔ امریکہ نے اسے خود پر حملہ قرار دیا اور اس کا ذمہ دار افغانستان میں پناہ گزین اسامہ بن لادن کو قرار دیا حالانکہ انتہائی معمولی سا فہم رکھنے والا انسان بھی جانتا ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک ایسا ملک جو ترقی یافتہ دنیا سے دو صدیاں پیچھے ہو جدید ٹیکنالوجی سے مکمل طور پر نا آشنا ہو جس ملک میں اکیسویں صدی میں ریل کی لائین نہ بچھائی جاسکی ہو جہاں کی آبادی کا بہت بڑا حصہ صدیوں پہلے انسان کی طرح جانوروں کی پیٹھ پر سفر کرتا ہو۔ ایسے ملک میں پناہ گزین ایک نہتا شخص دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ اور طاقتور ملک امریکہ پر یوں حملہ آور ہو کہ اس کی انٹیلی جنس بھی ناکام ہو جائے اس کا فضائی دفاعی حصار بھی دم توڑ جائے۔ پینتیس منٹ کے طویل عرصے تک اس کے بھیجے ہوئے جہاز امریکی فضا میں دندناتے رہیں اور ٹوئن ٹاور اور پینٹا گون سے ٹکراتے رہیں اور امریکی فضائیہ سوئی رہے۔ یہ انہونی باتیں ہیں یہ خونِ مسلم سے ہولی کھیلنے کے لئے تخریب کار اور سازشی ذہنوں نے ڈرامہ رچایا تھا تاکہ امریکی عوام کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ جو بدترین خونریزی کرنے والے ہیں وہ امریکہ کو محفوظ و مامون کرنے کے لئے لازم ہے۔ پھر یہ کہ انتہائی مہذب سفید فام قوم قانون کی حکمرانی میں زبردست یقین رکھتی ہے۔ ملزم کو صفائی کا حق بنیادی انسانی حق تسلیم کیا جاتا ہے لیکن آج تک کسی نے نہیں پوچھا کہ اسامہ پر لگائے جانے والے الزامات کی تصدیق کن ذرائع سے کی گئی ہے کون سے ثبوت ملزم کے خلاف اکٹھے کئے گئے ہیں اس کی غیر حاضری میں مقدمہ چلایا جاسکتا تھا جس میں اپنا کیس ثابت کرنا امریکہ کے لئے بہت آسان ہوتا لیکن قانونی راستہ اختیار کرنے کا قطعی طور پر رسک نہیں لیا گیا۔

بہر حال افغانستان پر جنگ ٹھونس دی گئی۔ اندازِ جنگ بھی نوٹ کریں عام طریقہ کار یہ تھا کہ فضائیہ طالبان کے اڈوں پر حملہ کرتی اور زمینی فوج اتار دی جاتی جسے مکمل اور مسلسل فضائی کور حاصل رہتا یہ زمینی فوج طالبان کو شکست دے کر علاقہ پر قبضہ کر لیتی جس سے یہ ہوتا کہ سویلین آبادی کا نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا لیکن جانوروں اور جنگلی درندوں کی جانوں کو بہت قیمتی سمجھنے والی قوم نے افغانستان پر کارپٹ بمباری کی مسجد ہسپتال جو راستے میں آئے اسے ملیامیٹ کر دیا اگر طالبان دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے گوریلہ جنگ کے لئے خود کو بچا کر پہاڑوں پر نہ چڑھ جاتے تو امریکی درندے جب تک ساری آبادی کو ہلاک نہ کر لیتے زمین پر اترنے کا نام نہ لیتے۔ بہر حال اس پر بھی کہا جاسکتا ہے کہ اپنا ایک ایک فوجی بچانے کے لیے انہوں نے اگر سویلین کو بھی بڑی تعداد میں ہلاک کیا تو یہ جنگ کا حصہ ہے۔

اصل درندگی افغانستان پر قبضہ کر لینے کے بعد سامنے آئی۔ انسانوں کو کنٹینروں میں اس طرح بند کر دیا کہ دم گھٹنے سے وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوئے۔ قیدیوں کو زمین پر لٹا کر ان کی شاہ رگ کاٹی جاتی پھر اس میں تیزاب بھر دیا جاتا جس سے مقتول کا دھڑ اس انداز میں حرکت کرتا جیسے رقص کر رہا ہو پھر اس کے گرد گھیرا ڈال کر رقص کیا جاتا اور بے ہودہ آوازیں نکالی جاتیں۔ سکول میں پناہ لینے والے ایک سو افراد بلا جواز ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کر دیئے گئے۔ کئی سو افراد کو قتل کر کے ان کی لاشیں درختوں پر لٹکا دی گئیں۔ زندہ انسانوں کو ٹینکوں اور گاڑیوں کے پیچھے باندھ کر گلیوں اور بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ قیدیوں کو بدنام زمانہ گوانتانامو کیمپ میں کس طرح لے جایا گیا اور وہاں ان سے کیا سلوک ہوا اور انہیں جانوروں سے بدتر انداز میں پنجروں میں بند کیا گیا۔ جانوروں اور درندوں کو ہر قسم کی زیادتی اور ظلم سے بچانے کے لئے انجمنیں اور تنظیمیں بنانے والوں نے افغانستان میں موت اور ہلاکت مسلط کرنے کے بعد چین سے بیٹھنا گوارا نہ کیا انہیں اچانک یاد آیا کہ عراق کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں جس سے ان کی مہذب اور شائستہ دنیا کی سلامتی کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانے اور وہاں انسانی خون کی ندیاں بہانے کا فیصلہ کیا تاکہ مہذب دنیا پُر امن زندگی گزار سکے۔

امریکہ نے ایک بار پھر اس درندگی کے لئے اقوامِ متحدہ کی اوٹ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن برطانیہ کے سوا باقی یورپ کو بہر حال شرم آ گئی انہوں نے اس جارحیت پر امریکہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ انکار سیاسی اور عسکری سطح پر کیا گیا اس کی ایک وجہ یورپ اور امریکہ کے مابین معاشی میدان میں مفادات کا ٹکراؤ بھی تھا لیکن اخلاقی سطح پر امریکہ کو یورپ کی سرکاری حمایت حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مزاحمت بڑھی تو فرانس جیسے ملک کے صدر نے کہا کہ ہم عراق پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں لیکن ہم یہ نہیں چاہیں گے کہ امریکہ کو عراق میں شکست ہو۔ عراق پر حملہ کرنے کے لئے پہلے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا شور مچایا گیا جب اقوام متحدہ کے انسپکٹروں نے اسے سراسر جھوٹ اور غلط قرار دیا تو امریکہ کو خیال آیا کہ صدام بڑا ظالم حکمران ہے اور وہاں اس نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ہوا ہے لہٰذا امریکہ کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ عراق کے عوام کو آزادی دلائے لہٰذا عراق کو

آزاد کرنے کے لئے اس پر حملہ کر دیا گیا۔

امریکہ توقع کے عین مطابق بہت جلد عراق پر قابض ہو گیا۔ صدام نے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا استعمال پھر کسی وقت پر اٹھا رکھا اور خود ایک زمین دوز تہہ خانے میں چھپ گیا۔ امریکہ نے عراق پر قبضہ تو کر لیا لیکن بعد کے حالات اس کی توقع کے خلاف نکلے اس کی پختہ رائے تھی کہ صدام کے مظالم کی ستائی ہوئی عراقی عوام خصوصاً اکثریتی شیعہ آبادی امریکیوں کو نجات دہندہ سمجھ کر اس کے فوجیوں کے گلے میں ہار ڈالے گی لیکن حالات توقعات کے برعکس تھے اور وہاں امریکہ کے خلاف مزاحمت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اس مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے امریکہ جو کچھ کر رہا ہے اسے ظلم' بربریت' درندگی کیا کہیں؟

راقم انتہائی دیانت داری سے یہ سمجھتا ہے کہ تمام انسانی زبانوں کی لغت عراق میں امریکہ کے کارہائے نمایاں کو مناسب اور موزوں الفاظ کا جامع پہنانے سے قاصر ہیں۔ مساجد اور ہسپتالوں میں داخل ہو کر زخمیوں اور نمازیوں کو بلا وجہ گولیاں مار دینا۔ جنگی قیدیوں کو مادرزاد برہنہ کر دینا انہیں آپس میں جنسی فعل پر مجبور کرنا۔ ان کے چہروں پر پیشاب کرنا۔ گھروں میں داخل ہو کر قیمتی زیورات چوری کر لینا اور خواتین کی بے حرمتی کرنا۔ فلوجہ میں انسانی لاشوں کے کس طرح ڈھیر لگائے گئے اور ہنستے بستے شہر پر قبرستان کا گمان ہوتا ہے۔ جو زندہ بچے ہوئے ہیں ان کی زندگی موت سے بدتر ہے نہ اوپر چھت ہے نہ کھانے کو روٹی نہ پینے کو پانی کس کس بات پر سر پیٹا جائے کس کس کا نوحہ کیا جائے۔ تجزیہ نگاری تو اب مرثیہ گوئی ہے۔

مسلمان حکمرانوں اور ان کے حواری سرمایہ داروں کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ عوام کے دل مایوسی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب چکے ہیں زبانیں گنگ ہیں دلوں پر وحشت اور جسموں پر لرزہ طاری ہے۔ احتجاج پر بھی احتیاط ہونے لگی ہے۔ تھائی لینڈ میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا آزادی اور جمہوریت کے علمبرداروں نے رسمی طور پر مذمت کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ مسلمان ہونا ان کا جرم تھا لیکن بہرحال انسان تو تھے۔ گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کیسا طوفان اٹھا تھا جب طالبان نے سربازار نصب ایک مٹی کے بنے ہوئے مجسمہ کو گرا دیا تھا حالانکہ یہ مجسمہ نہ کسی عبادت گاہ میں نصب تھا اور نہ ہی افغانستان میں بدھ مت کا کوئی پیروکار تھا جو اس کی پوجا پاٹ کر رہا ہوتا۔

ایک ڈینئل پرل جو صحافی کے لبادے میں جاسوسی کر رہا تھا پاکستان میں اغوا ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ ہر باشعور پاکستانی نے اس فعل کی مذمت کی تھی پاکستان کو اس پر زبردست جھٹکے دیئے گئے حالانکہ مشرف سے لے کر ایک عام سپاہی تک ڈینئل پرل کی تلاش میں سرگرداں رہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ اغوا کنندگان نے خوف کے مارے اسے جلد قتل کر دیا۔ آج کے جدید دور میں جب کہ انسانی حقوق' مساوات اور سوشل جسٹس کے نعروں سے کان پھٹے جا رہے ہیں مسلمانوں کے لئے دور جاہلیت سے بدتر حالات بنا دیئے گئے ہیں اس وقت بھی طاقتور قبیلے کی ایک جان کے بدلے زیادہ سے زیادہ تین جانیں لی جا سکتی تھیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم میں مسلمانوں کے حکمران غیروں کے ہمنوا بن چکے ہیں انہیں اپنی کرسیوں اور تختِ شاہی کی فکر ہے لہٰذا ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ہاں البتہ ایک امید بندھ رہی ہے اللہ رب العزت فرماتا ہے میں اس دنیا میں اگر بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کروں تو یہ دنیا محض ظلم کدہ بن جائے۔ اسی قانون کے تحت فرعون کو غرق کیا گیا نمرود کو ذلت کی موت دی گئی اللہ کفر کو برداشت کر لیتا ہے ظلم کو ایک حد سے آگے برداشت نہیں کرتا۔ وہ کسی قوم کو اس کی بنیادی صفات کی بنیاد پر اٹھاتا ہے لیکن جب وہ اپنی اچھائیوں کو غرور اور تکبر سے ظلم و ستم میں ڈھال لیتی ہے تو بش جیسے بدکردار اور ظالم لوگ ان کے حکمران بن جاتے ہیں اور ایسی قوم قانون قدرت کے شکنجے میں آ کر عبرتناک انجام کو پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اگر عالم اسلام نے اپنے اطوار نہ بدلے تو عین ممکن ہے وہ بھی survival of the fittest کے اصول کے تحت ملیا میٹ ہو جائے۔ زندہ سلامت وہی رہے گا جو قانونِ قدرت کے تقاضے پورے کرے گا۔

منتخب تحریکی نظم

ماہر القادری

اسلامی دستور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور
اس کے علاوہ جو بھی ہو گا ہم کو نامنظور

ہم سب کا بس ایک خدا ہے' ایک ہے اپنا دین
مفلس ہوں یا دھن والے ہوں' افسر یا مزدور

مردِ مسلماں کی مت پوچھو قرآں کی تفسیر
گرمی میں شعلوں سے بڑھ کر' ٹھنڈک میں کافور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

ظلم تو دیکھو پاکستان میں غلہ کا ہے کال
چوری ہے اور سینہ زوری رشوت ہے بھرپور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

بھوکے ننگے لوگ ہیں بے گھر ہے مخلوق
دل کے چھالے کھول رہے ہیں رستے ہیں ناسور

اپنا مقصد اپنی منزل اسلامی دستور

(انتخاب: قاضی عبدالقادر)

فطانی ایک بھولا بسرا ملک

ڈاکٹر خالد محمود ترمذی

فطانی تھائی لینڈ کے جنوب میں واقع ہے جہاں اسلام بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں عرب' ہندی اور ملاوی تاجروں کی کوششوں سے پھیلا۔ فطانی کے باشندے ملاوی النسل تھے اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ تھائی لینڈ کی بدھ حکومت نے اس پر حملہ کر کے اسے تھائی لینڈ کا حصہ بنا لیا۔ فطانی 4 بڑے شہروں پر مشتمل ریاست ہے۔ جالا' ستول' نارتیوات اور فطانی۔ فطانی پر تھائی لینڈ کے قبضہ کے بعد مسلمان تمام تھائی لینڈ میں پھیل گئے ہیں۔ شمال' مشرق' مشرقی تھائی لینڈ۔ ابوتیا اور بنکاک میں خصوصاً کیونکہ مذکورہ بالا چاروں اسلامی شہر تھائی لینڈ کے توسیع پسندانہ عزائم کا شکار ہو گئے۔ فطانی مسلمان ملاوی النسل ہونے کی وجہ سے ملاوی زبان بولتے ہیں وہ اپنے ملاوی ہونے پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے پہلے یورپی استعمار کا پھر جاپان کا اور پھر امریکی استعمار کا اور سب سے بڑھ کر بدھ استعمار کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔

تعلیمی تحریک اور بدھ استعمار کا مقابلہ:

مسلمانوں نے اپنے آپ کو بدھ معاشرے میں ضم ہونے سے اور شمال کے توسیع پسندانہ عزائم سے بچانے کے لئے دینی تعلیم کے فروغ کا سہارا لیا اور اس دینی تعلیم کی اساس ظاہر ہے لغۃ القرآن یعنی عربی زبان کی تدریس اور قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ یہ دینی مدارس جہاں ایک طرف عربی زبان کی تدریس اور قرآن کریم کی تعلیم کے مراکز کا کام دے رہے ہیں تو دوسری طرف بدھ مت کے سیلاب اور طوفان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ جیسے دنیا میں ہنود و یہود اور امریکہ و روس عالم اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحد و مستعد ہو گئے ہیں اسی طرح تھائی لینڈ کے بدھ پیروکار فطانی کے مسلمانوں اور اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مٹانے کے درپے ہیں۔ فطانی کے یہ اسلامی مدارس اسی طرح بدھ مت کے سیلاب کے مقابلے میں سد سکندری کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں جیسے برصغیر پاک و ہند میں قائم ہزاروں دینی مدارس مغربی تہذیب و تمدن کے سیلاب بلاخیز کے آگے ایک مضبوط بند کا کام دے رہے ہیں۔ لڑکیوں کے لئے علیحدہ مدارس ہیں۔ ان مدارس کی تفصیل یوں ہے:

1۔ مدرسہ دعوتِ اسلامیہ بوکیت۔ یہ 1394ھ بمطابق 1974ء میں بوکیت کے مقام پر قائم ہوا۔

2۔ صوبہ نارتیوات کا مدرسہ اسلامیہ جو ناریت روبہ کے شہر میں 1388ھ 1968ء میں قائم ہوا۔

3۔ مدرسہ الهدایۃ الاسلامیہ جس کی بنیاد 1984ء میں رکھی گئی۔

4۔ محمدی انسٹی ٹیوٹ جس کا سنگ بنیاد 1392ھ بمطابق 1972ء میں فطانی میں رکھا گیا۔

5۔ اسلامی انسٹی ٹیوٹ جس کا 1383ھ میں فطانی میں افتتاح ہوا۔

6۔ مدرسہ دارالامان کا 1985ء میں اجراء ہوا جس میں حفظ قرآن کا اہتمام ہے۔

7۔ روضۃ الاطفال الاسلامیہ جو 1404ھ بمطابق 1984ء میں قائم کیا گیا۔

8۔ الاصلاح انسٹی ٹیوٹ جو جالا کی مجلس الدین الاسلامی نے 1389ھ میں قائم کیا۔ یہ تھائی لینڈ کی حکومت سے تسلیم شدہ Recognized ہے۔

9۔ التربیۃ والدعوۃ انسٹی ٹیوٹ یہ 1975ء میں قائم ہوا۔

مشہور مساجد:

فطانی کے طول و عرض میں کئی مساجد بھی تعمیر کی گئی ہیں۔ نارتیوات کی مسجد تقویٰ' کمبوغ کی مسجد وسطیٰ' مسجد دارالعبادۃ اور مسجد فراجم جتواد جسے اسلامی حکومت نے 1983ء میں تعمیر کیا تھا۔ مسجد دارالسلام سب سے قدیم مسجد ہے۔ جسے 40 سال قبل تعمیر کیا گیا تھا۔ بعض مساجد کویت کے مشہور فلاحی ادارے International Organisation for Islamic Charity اور بیت الزکوٰۃ' جمعیت برائے احیاء تہذیب اسلامی اور جمعیت برائے اجتماعی اصلاح کے تعاون سے بنی ان اداروں کے صرف کثیر سے تعمیر کی گئی ہیں اور بعض مساجد وہاں کے مخیّر مسلمانوں نے اپنے مصارف سے تعمیر کی ہیں مثلاً مسجد روضۃ الجنۃ جو 1984ء میں 28 ملین "بات" (تھائی لینڈ کا سکہ) کے صرف کثیر سے (جو فطانی کے مسلمانوں نے جمع کیا) تعمیر ہوئی۔ یہ تاریخی مسجد فطانی جنوبی تھائی لینڈ میں ہے۔

اسلامی تنظیمیں:

تمام تھائی لینڈ میں عموماً اور جنوبی تھائی لینڈ میں خصوصاً مسلمانوں نے بہت سی اسلامی جماعتیں اور تنظیمیں قائم کر رکھی ہیں۔ جن کا نصب العین اسلامی تہذیب و تمدن کی بقاء و ارتقاء اور اسلامی ثقافت کا فروغ ہے ان میں سے بعض علمی اور تعلیمی میدان میں سرگرم عمل ہیں بعض دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں اور بعض دیگر فلاح و بہبود کے امور پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ یہ سب بدھ مت کے سیلاب میں اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے میں کوشاں ہیں بعض ان میں اسلامی فطانی ریاست کی آزادی کی بحالی کے لئے سرتوڑ کوششیں کر رہی ہیں جن میں سے نمایاں یہ ہیں:

1۔ اتحاد الطلبۃ المسلمین۔ 2۔ الانصار السنۃ المحمدیۃ

3۔ جمعیۃ الشبان المسلمین (نوجوان مسلمانوں کی تنظیم)

مسلم فطانی ریاست کی آزادی کے لئے یہ تنظیمیں کام کر رہی ہیں:

1۔ الجبهۃ الثوریۃ الوطنیۃ فطانی۔ 2۔ متحدہ تنظیم برائے آزادی فطانی۔ 3۔ تنظیم اسلامی۔ 4۔ جمعیت برائے استقلال فطانی۔

تھائی لینڈ کی حکومت نے مسلمانوں کے اکثریتی علاقے نارتیوات میں گوتم بدھ کی ایک بہت بڑی مورتی بنا کر نصب کی ہے جس پر 2500 ملین بات صرف ہوئے ہیں۔ یہاں دس لاکھ مسلمان آباد ہیں۔

پل شہداء: الصیادینی کے گاؤں میں جہاں مسلمانوں اور بودھوں کی ملی جلی آبادی ہے ایک پل ہے جو ان پانچ شہداء کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کی مدافعت میں بدھ فوج کے مقابلے میں جام شہادت نوش کیا۔

فطانی کرۂ ارض کے نقشہ پر ایک ایسی گم شدہ اسلامی ریاست ہے جس سے اکثر مسلمان بھی واقف نہیں ہیں لیکن اگر آپ وہاں جائیں تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ جائیں گے کہ ان اولوالعزم مسلمانوں نے بدھ مت کے لاؤ لشکر اور سیلاب بلاخیز کے مقابلے میں جو انہیں مٹانے پر تلا ہوا ہے اپنی بے بضاعتی اور بے کسی کے باوجود اپنے آپ کو کیسے زندہ رکھا ہے جو اسلامی تشخص کی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں شرک و بت پرستی کے گڑھ میں شمع توحید کو فروزاں رکھے ہوئے ہیں۔

(عربی مجلہ "المجتمع" سے ماخوذ)

گورنر حجاز غالب پاشا سے ملاقات

سید قاسم محمود

ساتواں منصوبہ: حملہ کرنے کے راستوں کا تعین

اس منصوبے میں حملہ آور فوجوں کے حملے کے راستوں کا تعین اور اُن کا تحفظ مقصود تھا۔ حملہ تو ترکی کی فوجوں کو کرنا تھا۔ راستے میں ایران اور افغانستان پڑتے تھے۔ ایران تو حکومتِ برطانیہ کے زیر اثر اور اس کا دست راست اور ترکی کا مخالف تھا۔ لہٰذا ایران سے تو راستہ دینے کی توقع نہ تھی۔ اس لئے تحریک کے قائدین نے ایران سے کوئی روابط ہی قائم نہیں کئے۔ البتہ افغانستان کے غیور پٹھان انگریز کے دشمن اور بدخواہ تھے۔ گو مجبوراً افغان حکومت انگریز کے زیر اثر تھی اور افغانستان انگریزی حکومت کی ایک ریاست تصور ہوتا تھا' لیکن بایں ہمہ دل سے کوئی بھی انگریز کا خیر خواہ نہ تھا۔ یہاں کامیابی کی اُمید تھی' اس لئے یہاں کام کیا گیا اور واقعی کامیابی ہوئی۔

والیٔ افغانستان امیر حبیب اللہ خان کمزور دل کا انسان تھا' اس لئے وہ تو نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ملک جنگ کا مرکز بن جائے۔ چنانچہ اس نے فیصلے کے لئے اپنے سول اور فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کا ایک جرگہ بلایا۔ پھر اُن کے سامنے یہ رائے رکھی تو سب افسر اور قبائل کے امراء اور اس کے بیٹے امان اللہ خان و نصر اللہ خان جنگ پر آمادہ تھے' اور سب کی یہ رائے تھی کہ ہمیں ترکی کے ساتھ مل کر لڑنا چاہئے اور خطے کو انگریز کی غلامی سے نجات دلانی چاہئے۔ صرف ایک امیر حبیب اللہ خان اور اس کا بیٹا عنایت اللہ خان بعض وجوہ کی بناء پر جنگ کے خلاف تھے' لیکن قومی دباؤ کے تحت امیر حبیب اللہ خان نے ایک درمیانی راہ نکالی کہ بعض پہاڑی قبائل کے علاقوں سے ترکی فوج گزر کر ہندوستان پر حملہ کرے اور ان پہاڑی راستوں کا بھی تعین کر دیا۔ ہم انگریز سے کہیں گے کہ یہ قبائلی باغی ہوگئے ہیں اور اب ہم مجبور ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ سرکاری فوج تو کوئی حصہ نہ لے' البتہ رعایا کو اختیار ہے کہ از خود رضا کارانہ طور پر جانی اور مالی خدمات انجام دیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر عین موقع پر انگریز کا پلہ بھاری نظر آیا تو اس کے ساتھ ہوکر ترکی فوج کو روک دیں گے' اور اگر ترکی کا غلبہ نظر آیا تو اس کے ساتھ ہوکر انگریز سے باغی ہوجائیں گے۔ یہ دو رخی پالیسی ان کی کمزوری کا نتیجہ تھی۔

انقلابی لیڈروں کو امان اللہ خان اور نصر اللہ خان نے تسلی دی کہ حکومت کا نظم و نسق ہمارے ہاتھ میں ہے' لہٰذا آپ اجازت کو کافی سمجھیں اور جب ترکی فوج یہاں پہنچ جائے گی تو رعایا اور فوج کے دباؤ سے ہم امیر کو انگریز کے خلاف آمادہ بغاوت کرلیں گے' ورنہ یہ روڑا راستے سے ہٹا دیا جائے گا' آپ اطمینان سے اپنا کام جاری رکھیں۔ چنانچہ یہ مرحلہ اس طرح کامیاب ہوا اور طے پایا کہ ترکی فوج کابل کے راستے سے قبائلیوں کو اپنے ساتھ ملا کر چار محاذوں سے حملہ کردے:

(1) قلات و مکران کے قبائل ترکی فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ کریں۔

(2) کوئٹہ کے محاذ پر غزنی و قندھار کے قبائل ترکی فوج کی قیادت میں حملہ کریں۔

(3) پشاور کے محاذ پر درہ خیبر کے مہمند و مسعودی قبائل کو ساتھ لے کر ترکی فوج حملہ کرے۔

(4) اوگی کے محاذ پر کوہستانی قبائل کو ساتھ لے کر ترکی فوج حملہ آور ہو۔

ادھر ہر محاذ پر ایک ایک انقلابی لیڈر پہلے سے کام کر رہا تھا۔

قلات کے محاذ پر مولانا محمد صادق کراچوی' کوئٹہ کے محاذ پر حافظ تاج محمود سندھی' جو کہ پیر پگاڑو کے سلسلے کے قائد تھے' درہ خیبر کے محاذ پر حاجی ترنگ زئی شریف والے' اوگی کے محاذ پر مولانا محمد اسحاق۔ اگر روس ساتھ دیتا تو نیپالی قبائل کی معیت میں نیپال کے محاذ سے حملہ کیا جاتا۔ نیپال میں پنڈت لوی پہلے سے کام کر رہے تھے۔

آٹھواں منصوبہ: ہندوستان کے اندرونی محاذوں پر بغاوت کا منصوبہ:

اس منصوبے کا مقصد یہ تھا کہ ترکی فوج جب مقامی مسلح آدمیوں کے ساتھ مل کر حملہ کرے' اسی وقت ہندوستان کے اندرونی محاذوں پر بغاوت شروع ہوجائے۔ بیرونی حملہ اور اندرونی بغاوت دونوں بیک وقت عمل میں آئیں۔ ایسا نہ ہو کہ تقدیم و تاخیر ہوجائے اور دشمن کی طاقت فرداً فرداً ہر ایک مخالف کو کچلنے میں کامیاب ہوجائے' جیسا کہ انقلاب 1857ء میں ہوا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضرت شیخ الہند نے انور شاہ (ترکی) سے آخری خط میں لکھوا دیا تھا کہ باقی معاہدات ہندوستانی انقلابیوں سے بذریعہ محمود الحسن آفندی طے ہوچکے ہیں۔ صرف افغان حکومت سے معاہدے کی یہ آخری تحریر ہے۔ اگر افغان حکومت ہمیں راستہ دینے پر راضی ہوجائے تو افغانستان کے حملے کی تاریخ کا تعین کرکے ہمیں اطلاع دیں تاکہ ہم اُسی تاریخ کو حملے کا انتظام کریں' اور حملے سے صرف دس دن پہلے ہماری فوج افغانستان پہنچ جائے گی۔

بواپسی خفیہ ''ریشمی خط'' کے ذریعے سے افغان حکومت سے معاہدہ کرکے افغانستان کے ہیڈ کوارٹر نے 19 فروری 1917ء کی تاریخ کا تعین لکھ دیا تھا۔ یہ ریشمی خط شیخ الہند کو مدینہ منورہ میں ملنا تھا اور اس کے مطابق ترکی حکومت سے بات چیت کو آخری شکل دے کر ایک ماہ پہلے یکم جنوری 1917ء کو کابل ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دینی تھی اور پھر کابل کے ہیڈ کوارٹر نے ہندوستان کے ہیڈ کوارٹر' دہلی کو یکم فروری 1917ء تک حملے کی تاریخ سے مطلع کرنا تھا۔ اس کے بعد 9 فروری کو ترکی فوجوں نے افغانستان پہنچنا تھا' اور پھر 19 فروری کو حملہ کردینا تھا' اور اُسی تاریخ کو ہندوستان کے ہر محاذ نے اپنے اپنے علاقوں میں علم بغاوت بلند کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ الہندؒ ابتداً مدینہ منورہ ٹھہر گئے۔ اُن کا ارادہ یہی تھا کہ ترکی حکومت سے آخری بات چیت اور مقررہ تاریخ پر حملے کا قطعی فیصلہ کرکے افغانستان جائیں گے۔

بعد میں جب کابل ہیڈ کوارٹر کے ''صاف جواب'' ملنے سے مایوس ہوگئے کہ ضرور کوئی حادثہ پیش آچکا ہے' مجھے جلد از جلد کابل پہنچنا چاہئے' لیکن اب حالات دگرگوں ہو چکے تھے اور حادثہ پیش آچکا تھا یعنی ''ریشمی خط'' پکڑا جاچکا تھا اور انگریز نے افغانستان کے سب راستے بند کردیئے تھے۔ اب وہاں پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ چنانچہ مجبوراً وہاں حجاز ہی میں رہنا پڑا' اور وہاں سے ہی گرفتار کئے گئے۔

تقدیر تدبیر پر غالب آ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز نے ''ریشمی خط'' پکڑ لینے کے بعد ہندوستان کے انقلابی لیڈروں کو بھی 19 فروری سے پہلے ہی گرفتار کرا دیا۔ اس کے باوجود 19 فروری کو سرحدوں پر بھی' اور اندرونِ ملک بھی زبردست انتظامات کئے' تاکہ کہیں کوئی حادثہ پیش نہ آئے' لیکن اب تو حادثہ پیش آنے کا سوال ہی نہ تھا۔ ''رولٹ رپورٹ'' میں ان انتظامات کے متعلق اجمالی اشارے درج ہیں کہ حکومت نے بروقت احتیاطی تدابیر اختیار کیں' جن کی وجہ سے کوئی گڑبڑ رونما نہ ہوئی۔ یہ تفصیلات سی آئی ڈی کے خفیہ کاغذات میں بھی درج ہیں۔ ان کا کچھ ذکر ان بیانات میں بھی ہے جو کہ مصر میں انگریز فوجی عدالت نے حضرت شیخ الہندؒ کو پڑھ کر سنائے۔

منصوبوں پر طائرانہ نظر:

• مذکورہ منصوبوں کا مقصد تھا' ہندوستان کی آزادی۔ اس کے لئے ایک مرکزی جماعت بنائی گئی' جس کے امیر و سربراہ حضرت شیخ الہندؒ تھے اور اس کا مرکز پہلے دیوبند' پھر دہلی تھا۔ اس جماعت کا نام پہلے ثمرۃ التربیۃ اور پھر جمعیۃ الانصار تھا۔ اس مرکزی جماعت نے ایک انقلاب برپا کرنے کا ارادہ کیا کہ اندرونِ ملک بغاوت کرائی جائے اور بیرونِ ملک شمال مغربی سرحد پر قبائل سے کسی طاقتور حکومت کی مرکزی طاقت سے حملہ کرایا جائے۔ چنانچہ ترکی کے صدر انور پاشا سے معاہدہ ہوا کہ وہ افغانستان کے راستے سے فوجیں گزار کر' قبائل کو ساتھ ملا کر ہندوستان پر حملہ کریں۔ اس کے لئے افغان حکومت کو رضامند کرنا تھا اور وہاں ایک ہیڈ کوارٹر قائم کر کے اُس کو رضامند کر لیا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اُس وقت افغانستان اور ترکی کی سرحدیں ملتی تھیں۔ اُس وقت کا جغرافیۂ جنگ اور تھا' اور اب تو ''نائن الیون'' کے واقعے کے بعد امریکا اور برطانیہ نے مل کر پوری دنیائے اسلام کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

بہرحال ہندوستان کی آزادی کو مقصد بنا کر جو منصوبے بنائے گئے ان کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ تاہم ایک بار پھر یہاں اُن کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے' تاکہ اصل ''تحریک ریشمی رومال'' کے سمجھنے میں مدد ملے:

(1) اندرونِ ملک ہندو مسلم اتحاد کرایا گیا' اور دونوں قوموں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے آمادۂ بغاوت کیا گیا۔

(2) قدیم تعلیم یافتہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ گریجویٹ حضرات کو یکجا کر کے آمادۂ پیکار کیا گیا۔

(3) بین الاقوامی دنیا کو یعنی جاپان' چین' برما' انڈونیشیا' فرانس اور امریکا کو اپنا ہمنوا بنایا گیا۔

(4) دشمن پر حملہ کرنے کے لئے نقشۂ جنگ تیار کیا گیا اور انگریز سی آئی ڈی اور فوجوں میں اپنے نوجوان بھیجے گئے۔

(5) انقلاب کے بعد کے لئے عبوری حکومت کا خاکہ بنایا گیا جس میں ہندو مسلم دونوں کو مساوی حقوق دیئے گئے۔

(6) اندرونِ ملک خفیہ مراکز قائم کئے گئے' جہاں بغاوت کے لئے نوجوان طاقت کو تیار و مستعد کیا گیا۔

(7) بیرونِ ملک یعنی کابل' انقرہ' استنبول' قسطنطنیہ اور برلن میں رضاکاروں کی بھرتی کے لئے مراکز کھولے گئے۔

(8) ترکی حکومت کا مددگار جرمنی کو بنایا گیا۔ روس کو ترکی کا معاون بنانے کی کوشش کی گئی۔

(9) حملے کے لئے قلات' کوئٹہ' درۂ خیبر اور اوگی مقرر کئے گئے اور افغان حکومت سے راستے کی اجازت لی گئی۔

(10) حملہ و بغاوت کے لئے 19 فروری 1917ء کی تاریخ حضرت شیخ الہندؒ نے انور پاشا اور جمال پاشا کے مشورے سے مقرر کی۔

منصوبوں پر عمل درآمد کی صورت:

1905ء سے 1914ء تک متواتر 9 سال ان منصوبوں پر عمل ہوتا رہا۔ جب یہ منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو اچانک پہلی جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ انقلابیوں کے لئے یہ سنہری موقع تھا۔ چنانچہ انقلابی پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے بجائے دہلی کے' دیوبند میں مجلس مشاورت منعقد کر کے فیصلہ کیا کہ اب حالات کا تقاضا ہے کہ جلد از جلد انقلاب برپا کیا جائے۔ اس کے لئے تاریخ 19 فروری مقرر کی' لیکن اس کی توثیق ترکی حکومت کو کرنی تھی۔ فیصلہ ہوا کہ یہ عبوری تاریخ رہے اور اگر ترکی حکومت اس کی منظوری دے دے تو یہی تاریخ پختہ ہو جائے گی' ورنہ جو تاریخ ترکی حکومت نے مقرر کی' وہ پختہ سمجھی جائے گی۔ اس فیصلے کی اطلاع اندرونِ ملک برانچوں کو کر دی گئی کہ اس تاریخ کے لئے تیاری کریں' لیکن پختہ یقین کے لئے اطلاع ثانی کا انتظار کریں۔

یہ فیصلہ دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر ہوا تھا۔ اس کے مطابق اب ایک اہم کام انجام دینا تھا۔ وہ یہ کہ اب تک انقلابی پارٹی اور ترکی حکومت کے درمیان نمائندوں کی وساطت سے زبانی معاہدے ہوئے تھے۔ براہ راست اور بالمشافہ بات نہیں ہوئی تھی۔ اب ضرورت اس بات کی تھی کہ انقلابی حکومت کے صدر (یعنی شیخ الہندؒ) اور ترکی حکومت کے صدر بالمشافہ بات چیت کر کے معاہدے کو آخری شکل دیں۔ معاہدہ یہ تھا کہ ترکی حکومت کی فوجیں ہندوستان کو فتح کر کے انقلابی حکومت کے حوالے کر دیں گی اور خود واپس چلی جائیں گی۔ اور اس کے عوض اگر ترکی حکومت کو برطانیہ کے خلاف رضاکاروں اور مالی امداد کی ضرورت ہوئی تو انقلابی حکومت ان کی ہر طرح سے مدد کرے گی۔ نیز یہ کہ حملہ کس تاریخ کو' کیونکر' اور کہاں سے ہوگا۔

چنانچہ مرکزی مجلس شوریٰ نے اس مضمون کا معاہدہ تحریر کر کے اور ارکانِ مجلس سے دستخط کرا کر حضرت شیخ الہندؒ کے حوالے کیا اور آپ کو خود ترکی جا کر صدر جمہوریہ ترکی انور پاشا سے بات چیت کرنا اور اس معاہدے کی منظوری لینا تھی۔ چنانچہ آپ اپنی جائیداد بطور شرعی قانونِ وراثت تقسیم کر کے حج کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔ اُس وقت حجاز وغیرہ میں ترکی کی حکومت تھی' اس لئے ارادہ یہ تھا کہ حج کے بہانے سے یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور وہاں پہنچنے کے بعد انور پاشا سے ملاقات کر کے تاریخ اور معاہدے کی منظوری لے کر واپس اُسی راستے سے کابل آ جاؤں گا اور پھر وہاں سے آخری کام کیا جائے گا۔ شیخ الہندؒ کا جانا اس لئے بھی ضروری تھا کہ اب تک ترکی اور افغان معاہدے میں بھی قطعی و حتمی فیصلہ باقی تھا۔ خیال یہ تھا کہ انور پاشا سے تحریری معاہدہ لے کر' کابل میں لا کر افغان حکومت سے منظور کرا کے بواپسی منظوری کی اطلاع حکومت ترکی کو دی جائے گی۔ غرضیکہ آپ کے سامنے یہ تین کام تھے:

(1) انقلابی پارٹی اور ترکی حکومت کا معاہدہ۔

(2) افغانستان اور ترکی حکومت کا یقینی معاہدہ۔

(3) انقلاب برپا کرنے کی تاریخ کا تعین۔

ان تین مقاصد کے پیشِ نظر آپ حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ پہنچے۔ حکومت برطانیہ کا ارادہ تھا کہ آپ کو دہلی میں گرفتار کر لیا جائے' لیکن دہلی میں ہجوم اتنا ہو گیا کہ گرفتاری خلافِ مصلحت سمجھی گئی۔ پھر بمبئی میں گرفتاری کا ارادہ کیا' لیکن چونکہ حکومت کی سی آئی ڈی سے ڈاکٹر انصاری کے روابط تھے' اس لئے آپ نے اہل کاروں سے خفیہ مل کر' گرفتاری کے حکم کا تار گورنر جنرل کی طرف سے گورنر بمبئی کو روانہ کیا گیا' ہوم سیکرٹری کے دفتر میں رکوا کر لیٹ کروا دیا۔ جب تار بمبئی پہنچا تو آپ جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ پھر عدن کے گورنر کو گرفتاری کا حکم اس وقت ملا جب آپ حکومت برطانیہ کے قبضے سے نکل چکے تھے۔

مکہ مکرمہ پہنچ کر شیخ الہندؒ نے حجاز کے گورنر غالب پاشا سے ملاقات کی۔ غالب پاشا اس انقلابی تحریک سے پہلے ہی واقف تھے۔ آپ نے اپنا تعارف کرایا اور مقصد ظاہر کیا کہ میں انور پاشا سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

(جاری ہے)

Final Schedule of Dr. Israr Ahmed's visit to India

Contact No: Mr. Abdul Azeem 009198 19361852

DATE	DAY	City	PARTICULARS	Venue
26.11.2004	Friday	Delhi	Khitab JUMA	JAMA MASJID
27.11.2004	Saturday	Delhi	Dars-e-Qur'an	JIH Campus 6 pm
28.11.2004	Sunday	Delhi	Lecture	
29.11.2004	Monday	Aligarh	Lecture	To be decided
30.11.2004	Tuesday	Aligarh	Lecture	To be decided
01.12.2004	Wednesday	Aligarh	Lecture	Aligarh Muslim University
02.12.2004	Thursday	Aligarh	Lecture	Aligarh Muslim University
03.12.2004	Friday	Mumbai	Khitab Juma	Jama-E-Masjid Crawford Mkt.
03.12.2004	Friday	Mumbai	Lecture	Noor Baug, Dongri
04.12.2004	Saturday	Mumbai	Lecture	Noor Baug, Dongri
05.12.2004	Sunday	Mumbai	Lecture	Noor Baug, Dongri
06.12.2004	Monday	Mumbai	Lecture	Noor Baug, Dongri
07.12.2004	Tuesday	Mumbai	Lecture	Shanmukhananda Hall, Kings Circle
08.12.2004	Wednesday	Mumbai	Lecture	Meena Tai Thakre Hall, Bhiwandi
09.12.2004	Thursday	Mumbai	Lecture	Saboo Siddik Polytechnic, Sherpherd Road, Byculla
10.12.2004	Friday	Mumbai	Khitab juma	Jama-E-Masjid, Bandra
10.12.2004	Friday	Mumbai	Lecture	Saboo Siddik Polytechnic, Sherpherd Road, Byculla
11.12.2004	Saturday	Mumbai	Lecture	Saboo Siddik Polytechnic, Sherpherd Road, Byculla
12.12.2004	Sunday	Mumbai	Lecture	Saboo Siddik Polytechnic, Sherpherd Road, Byculla

13.12.2004	Monday	Pune	Lecture	Azam Campus
14.12.2004	Tuesday	Bangalore	Lecture	Exhibition Ground Mukarram Jahi Road
15.12.2004	Wednesday	Bangalore	Lecture	Community Hall, Gandhi Bhavan, Opp. A.P. H B
16.12.2004	Thursday	Hyderabad	Lecture	Masjid-e-Aaliya Gun Foudary Near Lal Bahadur Stadium
17.12.2004	Friday	Hyderabad	Khitab Juma	1) Makkah Mosque 2) Masjid AAliya
18.12.2004	Saturday	Hyderabad	Lecture	1) Makkah Mosque 2) Masjid AAliya
19.12.2004	Sunday	Hyderabad	Lecture	1) Makkah Mosque 2) Masjid AAliya
20.12.2004	Monday	Hyderabad	Lecture	Eidgah Khuddus Saheb Millers Road
21.12.2004	Tuesday	Hyderabad	Lecture	Eidgah Khuddus Saheb Millers Road
22.12.2004	Wednesday	Delhi	Departure to Delhi and onwards to Lahore	

پریس ریلیز

19 [illegible] 2004

ماہ رمضان المبارک کے روزوں کا اصل حاصل تقویٰ کی راہ اختیار کرنا ہے۔ تقویٰ کی روح یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس احساس کے تحت بسر کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اور روز محشر اسے اللہ کے سامنے پیش ہو کر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ رمضان المبارک کے مہینے میں دن کے وقت حلال اشیاء سے بھی پرہیز درحقیقت اس امر کی ٹریننگ ہے کہ سال کے باقی دنوں میں ہم حرام سے اجتناب کر سکیں۔ تقویٰ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور سیدھے راستے پر عمل کرنے کا نام ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اپنے نفس کو دنیاوی ترغیبات اور معصیت سے دور رکھا جائے۔

امیر تنظیم نے کہا کہ ایک حدیث مبارکہ کی رو سے اگر انسان کے معاش میں حرام شامل ہو تو اس کی دعائیں اور عبادت اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوتیں۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث کے مطابق وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جس کے جسم کی پرورش حرام مال سے کی گئی ہو۔ آج شریعت کے فروعی مسائل کے حل کے لئے تو علماء سے رابطہ کیا جاتا ہے لیکن معاش کے ذرائع میں حلال اور حرام کی تمیز کے لئے دین کی تعلیمات سے آگاہی حاصل نہیں کی جاتی۔ اسلام میں باطل طریقے سے مال بنانے کی سخت ممانعت ہے لیکن موجودہ صورت حال یہ ہے کہ نوے فی صد کاروبار سود کے بدترین استحصالی نظام پر قائم ہیں۔ یہ روش صرف انفرادی ہی نہیں بلکہ قومی سطح پر بھی رائج ہے۔ جب پورا ملک سودی نظام اور جوئے کی وجہ سے مجموعی طور پر حرام میں ڈوبا ہوا ہو تو خیر کہاں سے آئے گا اور دعائیں کیسے قبول ہوں گی! بدقسمتی سے ہماری حکومت سودی نظام سے چھٹکارا پانے کی تدابیر اختیار کرنے کی بجائے سود کو فروغ دینے میں سرگرم عمل ہے۔ ایسے میں حکمرانوں کے حج اور عمرے بھی بے معنی ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ حلال راستہ اختیار کر کے اللہ پر توکل کیا جائے۔ قرآن میں اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمارے لئے ایسے اسباب پیدا فرمائے گا جن کے بارے میں ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(شعبہ نشر واشاعت تنظیم اسلامی)

"شاہراہ مکہ" کا ایک باب

محاذ جنگ پر

(آخری قسط)

تحریر: علامہ محمد اسد، ترجمہ: محمد الحسنی ندوی

انہوں نے جواب دیا ہرگز نہیں بیٹے ہرگز نہیں، آج سے دس پندرہ سال بیشتر جب سید احمد نے ترکوں کی حمایت میں برطانیہ سے اعلان جنگ کیا تھا (اگرچہ ترکوں نے ہماری کوئی مدد نہیں کی) اس وقت تو یہ ممکن تھا، لیکن اب کسی صورت ممکن نہیں ہے، برطانوی حکومت اب ہمارے لئے ایک انگلی کو بھی حرکت نہیں دے سکتی، دوسرا اطالوی آخر دم تک اور آخری حد تک جنگ کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اگر میں اور میرے ساتھی مصر چلے گئے تو پھر وہاں سے کبھی واپس نہ آ سکیں گے، پھر ہم یہ کیسے کر سکتے ہیں کہ اپنی قوم کو بغیر کسی رہنما اور لیڈر کے ان دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں۔

سید ادریس کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ کیا وہ بھی آپ کے مؤید ہیں؟ میں نے پوچھا۔

سید ادریس بے شک بہت اچھے آدمی ہیں اور بڑے باپ کے بیٹے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا مضبوط دل نہیں دیا ہے کہ وہ اس کشمکش اور ان مصائب کو برداشت کر سکیں۔

سیدی عمر کو معلوم تھا کہ اب انہیں صرف موت کا انتظار ہے، جس وقت وہ حریت کے راستے میں اپنی طویل معرکہ آرائی کے قطعی نتیجہ کی بات کر رہے تھے اس وقت میں نے ان کی آواز میں ایک گہری سنجیدگی محسوس کی، لیکن گھٹن نہیں، وہ جانتے تھے کہ موت ان کی منتظر ہے، وہ نہ موت سے خائف تھے نہ اس کے لئے کوشاں۔

اسی طرح انہوں نے اس سے بچنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی اور مجھے یقین ہے کہ اگر انہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ موت کی کس قسم سے ان کا سابقہ پڑنے والا ہے تب بھی وہ اس سے بچنے کی کوشش نہ کرتے، ان کو اس بات کا مکمل اور محکم یقین تھا کہ آدمی اپنا انجام ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے، وہ جہاں بھی جاتا ہے اور جو فعل بھی کرتا ہے وہ اس کے لئے پہلے سے مقدر ہوتا ہے۔

اچانک ہم نے جنگل میں کچھ کھڑکھڑاہٹ سنی، اتنی ہلکی کہ عام حالات میں اس کی طرف ذہن بھی نہیں جا سکتا تھا، لیکن یہ عام حالات نہ تھے، اس لئے میں نے اپنے کان کھڑے کر لئے اور ہر طرف غور سے دیکھنے لگا، پھر مجھے ایسا لگا جیسے وہ آوازیں رک گئی ہوں، لیکن چند لمحے بعد ان کا سلسلہ پھر قائم ہو گیا، آخر میں جھاڑیاں کھلیں اور اس میں سے زید اور خلیل باہر آئے، گھوڑوں پر پانی کی مشکیں لدی ہوئی تھیں، جونہی خلیل کی نظر سیدی عمر پر پڑی وہ ان کی دست بوسی کے لئے تیزی سے جھپٹے، پھر میں نے ان سے زید کا تعارف کرایا، ان کی تیز نگاہیں پسندیدگی کے ساتھ زید کے حسن قامت اور باوقار چہرہ پر مرکوز ہو گئیں پھر انہوں نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

مرحبا میرے بھائی، میرے آباو اجداد کی سرزمین سے آنے والے آپ عرب کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب زید نے انہیں بتایا کہ وہ قبیلہ شمر سے تعلق رکھتے ہیں تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اچھا تو آپ حاتم طائی کے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو سب سے زیادہ سخی تھا۔

ہمارے سامنے سیدی عمر کے بعض آدمیوں نے کھجور پیش کئے اور جب ہم اس سادہ کھانے سے فارغ ہو چکے تو بوڑھے مجاہد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اب ہم کو یہاں سے ہٹ جانا چاہئے، ہم بوصفیہ کے اطالوی مرکز سے قریب ہیں، اس لئے ہم صبح تک یہاں نہیں رہ سکتے۔

چنانچہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ہم لوگ سیدی عمر کے پیچھے ہو لئے، ہمارے پیچھے بقیہ تمام آدمی پیدل چل رہے تھے، جب ہم گھاٹیوں کو عبور کر کے باہر آئے تو ہم نے دیکھا کہ یہاں توقع سے کہیں زیادہ آدمی تھے، ایک کے پیچھے ایک کر کے چٹانوں اور غاروں کی آڑ سے تاریک سائے برآمد ہو رہے تھے اور ایک قطار بنا کر ہم سے ملتے جا رہے تھے۔ اسی کے ساتھ متعدد جماعتیں ان کی حفاظت کی خاطر ان کے دائیں بائیں پھیل گئی تھیں، اس کا اندازہ کرنا واقعی مشکل تھا کہ وہ کتنے آدمی ہوں گے اس لئے کہ سب حرکت کر رہے تھے، ان پر ایسی خاموشی طاری تھی جیسے وہ (Read Indians) کے اسکاؤٹ ہوں۔

فجر سے کچھ پہلے ہم ان کے خاص ہیڈکوارٹر پہنچ گئے، جہاں اس وقت تقریباً 200 آدمی مقیم تھے، یہ ہیڈکوارٹر ایک تنگ اور گہرے درہ میں واقع تھا، چٹانوں کے نیچے کئی جگہ آگ روشن تھی، بعض لوگ زمین پر سو رہے تھے، کچھ لوگ اسلحہ صاف کر رہے تھے کچھ پانی لا رہے تھے اور کھانا پکانے میں مشغول تھے، کچھ ایسے تھے جو اُن چند گھوڑوں کی نگرانی اور خدمت پر مامور تھے جو اِدھر اُدھر درختوں سے بندھے ہوئے تھے، سب لوگ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے، اس پوری جماعت میں (اس وقت اور اس کے بعد بھی شاید) ایک مرتبہ میری نگاہ کسی عبا یا جبہ پر نہیں پڑی، بہت سے ایسے آدمی تھے جن کی مرہم پٹی کی جا رہی تھی، مجھے ان دو عورتوں کو دیکھ کر حیرت ہوئی جو ہیڈکوارٹر میں کام کر رہی تھیں، ان میں سے ایک نوجوان تھی اور ایک سن رسیدہ۔ وہ ایک جگہ آگ کے قریب بیٹھی ہوئی زین کو سینے میں مشغول تھیں۔

سیدی عمر نے میری اس حیرت کو نوٹ کیا اور کہنے لگے جہاں بھی ہم جاتے ہیں یہ دونوں بہنیں ہمارے ساتھ رہتی ہیں، انہوں نے ہماری دوسری عورتوں اور بچوں کے ساتھ مصر کا امن قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہ ماں ہے اور یہ اس کی بیٹی ہے، ان کے سب گھر والے جنگ میں کام آ چکے ہیں۔

دو دن اور دو راتیں میں برابر (اس درمیان میں ہیڈکوارٹر یہاں سے جبل اخضر کی گھاٹیوں میں منتقل کر دیا گیا تھا) سیدی عمر کے ساتھ مجاہدین کے سامان رسد کے انتظام کے متعلق گفتگو کرتا رہا، جس کی ایک بہت تھوڑی مقدار مصر سے اب تک وصول ہو رہی تھی، ظاہر ہے کہ انگریز (سید ادریس سنوسی سے مفاہمت کے بعد جو جنگ بندی کے زمانہ میں ہوئی تھی) یہ چاہتے تھے کہ مصر میں سنوسیوں کی سرگرمیوں کے ساتھ ایک حد تک رواداری برتی جائے گی جب کہ یہ سرگرمیاں مقامی نقل و حرکت اور انتظامات تک محدود تھیں، انہوں نے مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں سے بھی چشم پوشی کی جو وقتاً فوقتاً اطالوی لائنوں کو پار کر کے سلوم پہنچ جاتی تھیں جو ساحل پر سب سے قریب مصری شہر تھا، جہاں وہ اپنا مال غنیمت جو اکثر و بیشتر اطالوی خچروں پر مشتمل ہوتا تھا۔ بیچ کر سامان خوراک حاصل کرتے تھے جس کی ان کو سخت احتیاج تھی، مگر اس میں بڑا خطرہ تھا اور یہ کارروائی زیادہ عرصہ تک نہیں کی جا سکتی تھی خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اطالوی پوری مصری سرحد پر بہت تیزی سے خاردار تاروں کا جال بچھا رہے تھے، سیدی عمر نے میری

اس رائے کی موافقت کی کہ رسد حاصل کرنے کا سب سے اچھا راستہ وہ ہے جس راستہ سے میں یہاں آیا تھا' بحریہ فرفرہ' سیوہ کے نخلستانوں میں میں تہ خانے قائم کر کے! لیکن ان کا خیال تھا کہ اس طریقہ سے زیادہ عرصہ تک اطالویوں کی نگاہ سے بچنا مشکل ہے۔

(بعد میں یہ بات صاف ہوگئی کہ ان کا یہ شک بجا تھا' اس لئے کہ چند ہی ماہ کے بعد ایک قافلہ واقعی سامان خوراک لے کر مجاہدین تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا لیکن جغبوب اور جالو کے درمیان گزرتے وقت اطالویوں کو اس کا پتہ لگ گیا اور جلد ہی دونوں نخلستانوں کے درمیان ''بیر طرفاوی'' میں ایک مضبوط مرکز قائم کر دیا گیا جس نے مستقل ہوائی گشتوں کے ساتھ مل کر اس طرح کی ہر کوشش کو بہت خطرناک بنا دیا تھا)

اب مجھے واپسی کی فکر تھی' چونکہ میں یہ چاہتا تھا کہ اس طویل اور پرمشقت راستہ کو اختیار نہ کروں جو مغرب کے سفر میں میں نے اختیار کیا تھا' اس لئے میں نے سیدی عمر سے پوچھا کیا کوئی دوسرا معقول راستہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہے تو لیکن خطرناک خاردار تاروں کو پار کر کے سلوم کی طرف جانا ہوگا' اتفاق کی بات کہ عین اسی زمانہ میں مجاہدین کی ایک جماعت سلوم سے آٹا لانے کے لئے تیار تھی' میں اگر چاہتا تو ان کے ساتھ ہو سکتا تھا' چنانچہ میں نے ان کی رفاقت کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے اور زید نے عمر المختار کو الوداع کہی اور اس کے بعد پھر ان کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکا' اس لئے کہ 8 ماہ بعد اطالویوں نے ان کو گرفتار کر کے پھانسی دے دی۔ تقریباً ایک ہفتہ کے سفر کے بعد جو صرف رات کو ہوتا تھا' سخت دشوار گزار راستوں اور جبل اخضر کے مشرقی حصے میں صنوبری جھاڑیوں کے جنگلات کے اندر ہو کر ہماری یہ جماعت جو تقریباً 20 اشخاص پر مشتمل تھی مصر اور لیبیا کے حدود کے نزدیک پہنچ گئی' یہاں سے وہ جگہ قریب تھی جس کو ہماری اسکیم کے مطابق پار کرنا تھا' یہ جگہ اتفاقاً انہیں مل گئی تھی بلکہ قصہ یوں تھا کہ اگرچہ رکاوٹیں بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں' لیکن پھر بھی بعض جگہیں ایسی تھیں جہاں صرف ایک رکاوٹ تھی جس کا طول 8 فٹ اور عرض 4 فٹ تھا' لیکن بعض جگہوں پر سیمنٹ کی بنیاد اور ستونوں پر مضبوط طریقہ پر لپیٹ دیئے گئے تھے' یہ نقطہ جس کو ہم نے منتخب کیا تھا' مرکز سے نصف میل کے فاصلہ پر تھا' یہ ہمیں معلوم تھا کہ اس مرکز میں بکتر بند گاڑیاں بھی ہیں لیکن ہمیں ان دو جگہوں میں سے بہرحال ایک کو ترجیح دینا تھی' ایک یہ جگہ دوسری وہ جگہ جہاں خاردار تاروں کی دہری یا تہری قطاریں موجود تھیں۔

اس بات کا انتظام پہلے سے کر لیا گیا تھا کہ مصری سرحد کے اندر چند میل کے فاصلہ پر سنوسیوں کے حامی سواری کے جانور لئے ہمارے منتظر رہیں' اس لئے اب یہ ضروری نہیں تھا کہ اپنے گھوڑوں کو خطرہ میں ڈالا جائے' بعض مجاہدین نے ان کو دور لے جا کر کھڑا کر دیا' اس درمیان میں میں اور زید اور بقیہ تمام لوگ تار سے قریب ہونے لگے' یہ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا' صرف اندھیرا ہم کو چھپائے ہوئے تھا اس لئے کہ اطالوی فوجوں نے تمام درخت اور جھاڑیاں کاٹ ڈالی تھیں تاکہ مجاہدین اس میں چھپ نہ سکیں۔

ہم نے دو آدمی چوکیداری کے لئے شمالی اور جنوب میں کئی میٹر کے فاصلے پر کھڑے کر دیئے تاکہ اگر کوئی خطرہ ہو تو وہ فوراً مطلع کریں' اس کے بعد ہمارے چھ آدمی تار کاٹنے والی قینچیاں لئے اور موٹے چرمی دستانے پہنے جو گزشتہ حملوں میں اطالویوں سے ملے تھے آگے بڑھے' ہم لوگوں نے ان کی حفاظت کے لئے چاروں طرف بندوقیں تان لیں' یہ واقعی بہت نازک وقت تھا' میں ہر آواز پر ہمہ تن گوش تھا' میں نے بھاری جسم کے دباؤ' سنگریزوں اور کنکریوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی اور ایک چڑیا کی آواز آئی' پھر میں نے تار کاٹے جانے کی آواز سنی' شدت احساس کی وجہ سے مجھے ایسا لگا جیسے وہ بم پھٹنے کی آواز ہو۔

ایک دوسری چڑیا کی آواز نے رات کے سکون کو توڑا' لیکن اس مرتبہ یہ چڑیا کی آواز نہ تھی بلکہ یہ اشارہ تھا جس کو سب سمجھتے تھے' یہ ہمارے شمال کے چوکیدار کی وارننگ تھی کہ خطرہ قریب ہے' ٹھیک اسی وقت ہمیں گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی جو ہماری طرف آ رہی تھی اور سرچ لائٹ کی روشنی سے فضا روشن ہوگئی' ہم سب نے فوراً ہی اپنے کو زمین پر ڈال دیا' صرف وہ آدمی رہ گئے جو تار کاٹنے میں مصروف تھے اور جو اس کام کو یاس آمیز سرعت کے ساتھ کئے جا رہے تھے' ان کو چھپنے کی اتنی پرواہ نہیں تھی جتنی بندوق کے کندوں اور قینچیوں سے جنون آمیز سرعت کے ساتھ تار کاٹنے کی' چند سیکنڈ کے بعد شمال میں ہمارے چوکیدار نے گولی چلا دی' ظاہر ہے کسی فوجی گاڑی نے اس کو دیکھ لیا تھا' پھر سرچ لائٹ نے فضا کو روشن کر دیا اور مشین گن سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی' کھڑکھڑاہٹ بہت تیز ہوگئی تھی' ہم سرچ لائٹ کی روشنی میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے لیکن نشانہ کچھ زیادہ درست نہیں تھا' اس لئے کہ گولیاں ہمارے سروں پر سے ہو کر گزر رہی تھیں۔ ہم نے بھی پیٹ کے بل لیٹے ہوئے جواباً گولیاں چلائیں۔

سرچ لائٹ' سرچ لائٹ' گولی چلاؤ' ایک ساتھی نے چیخ کر کہا' روشنی بند ہوگئی' میرا خیال ہے کہ شاید ہمارے ماہر نشانہ بازوں کی ایک گولی شیشے پر لگی اور وہ چکنا چور ہوگیا' گاڑی فوراً رک گئی' لیکن گولی اندھیرے میں اندھادھند چلتی رہی' ٹھیک اسی وقت کسی نے چیخ کر کہا کہ تار کاٹ دیئے گئے' چنانچہ ہم لوگ تیزی کے ساتھ اس طرف لپکے اور ایک ایک کر کے اس میں سے نکلنے لگے' جگہ بہت تنگ تھی' اسی لئے ہمارے کپڑے بھی پھٹے اور ہم بھی زخمی ہوئے' اس کے بعد ہم نے چاپ سنی اور ہمارے محافظوں نے اس سوراخ کے قریب اپنے کو زمین پر ڈال دیا' شاید اطالویوں نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ اپنی گاڑیوں سے اتر کر دو بدو ہم سے جنگ کریں!

الغرض کسی طرح اب ہم مصری سرزمین پر تھے یا یوں کہنا چاہئے کہ سرحد کے دوسری طرف سے گولیوں کی بارش ہوتی رہی اور ہم مصری سرحد کی طرف بھاگتے رہے' صبح ہونے سے پہلے ہی ہم خاصی دور تک مصری سرحد کے اندر آ گئے اور خطرہ سے نکل آئے تھے' ہمارے 20 آدمی ہلاک ہوئے اور چار کو معمولی زخم آئے۔

خدا ہم پر رحم کرے' ایک زخمی مجاہد نے کہا۔ ہم کبھی کبھی یہ تار پار کرتے وقت اپنے آدھے ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں' لیکن کوئی اپنے وقت سے پہلے تھوڑے ہی مر سکتا ہے' جب خدا کو منظور ہوتا ہے تب ہی اس کی موت آتی ہے' کیا خدا نے یہ نہیں کہا ہے۔

''اور نہ کہو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں مردہ' بلکہ وہ زندہ ہیں' لیکن تم اس کا احساس نہیں کرتے۔''

دو ہفتہ کے بعد میں اور زید مرسی مطروح اور اسکندریہ کی بندرگاہوں سے صعید پھر کشتی سے مدینہ منورہ تک پہنچے' یہ ایڈونچر کوئی دو ماہ تک رہا اور لوگوں کو حجاز میں ہماری غیر حاضری کا خیال بھی نہیں ہوا۔

جب میں سیدی محمد الزروی کے ساتھ مدینہ کی سنوسی خانقاہ میں داخل ہو رہا تھا اس وقت موت اور اس کی آوازوں نے مجھے گھیر لیا' میں نے محسوس کیا کہ میں صنوبری سدابہار جنگلات کی خوشبو سونگھ رہا ہوں' میرے سر کے اوپر سے گولیاں گزر رہی ہیں اور میرا دل مضمحل ہو رہا ہے' اسی طرح برقہ میں میرے اس ایڈونچر کی یاد دھندلی ہوگئی' لیکن اس کا درد اور کسک اب تک دل میں باقی ہے۔

اب میں پھر سنوسی تحریک کے امام و رہنما کے سامنے کھڑا ہوں اس سن رسیدہ مجاہد کے چہرہ کو غور سے دیکھ رہا تھا' اس مرتبہ بھی میں نے ان کی دست بوسی کی سعادت حاصل کی' وہ ہاتھ جو ایک طویل عرصہ تک تلوار اٹھائے ہوئے تھا' لیکن اب اس میں اس کی سکت باقی نہیں رہی تھی۔

اللہ تمہیں برکت دے میرے بیٹے' ہماری پہلی ملاقات کو ایک سال ہو رہا ہے' اس سال کے اندر اندر ہماری ساری امیدوں کا خاتمہ ہوگیا' لیکن ہر حال میں خدا کا شکر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سال خاص طور پر سید احمد کے لئے افکار وصدمات اور مکروہات سے بھرا ہوا تھا' ان کے چہرے پر پہلے سے کہیں زیادہ جھریاں نظر آ رہی تھیں ان کی آواز بھی پہلے سے پست تھی۔

آج یہ بوڑھا شیر قالین پر سمٹا ہوا بیٹھا تھا' ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حرارت حاصل کرنے کے لئے اپنی عبا میں لپٹے ہوں' ان کی نگاہیں خلا میں گھور رہی تھیں۔

انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا:

اگر ہم عمر مختار کو بچانے میں کامیاب ہو جاتے' اگر ہم ان کو مصر بھاگ آنے پر آمادہ کر لیتے—— تو شاید—— ہمیں کچھ وقت مل جاتا——

میں نے ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا—— کوئی شخص سیدی عمر کو نہیں بچا سکتا تھا' وہ خود ہی بچنے کے لئے آمادہ نہیں تھے' وہ ناکامی پر موت کو ترجیح دیتے تھے' جب میں نے ان کو رخصت کیا اس وقت ان کا یہی حال تھا۔

سید احمد نے اپنا سر جھکا لیا اور کہنے لگے——

ہاں—— مجھے یہی خیال ہے' میرا اندازہ بھی یہی ہے' لیکن میں نے وقت گزرنے کے بعد سوچا' کبھی مجھے ایسا احساس ہوتا ہے کہ آج سے سترہ سال پہلے استنبول کی پکار پر لبیک کہہ کر میں نے غلطی کی تھی' کیا وہ ہمارے خاتمہ کا آغاز نہ تھا' نہ صرف عمر کے لئے بلکہ تمام سنوسیوں کے لئے؟

میں نے ان کے سوال کا جواب نہیں دیا' اس لئے کہ میرا خیال تھا کہ سید احمد کا انگریزوں سے غیر ضروری جنگ کرنے کا فیصلہ وہ سب سے بڑی مہلک غلطی تھی جو ان سے سرزد ہوئی۔

سید احمد نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

لیکن اس صورت میں جبکہ خلیفۃ المسلمین مدد کا خواہاں ہو میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا' کیا میں برسرِ حق تھا یا میں پاگل ہو گیا تھا' لیکن اللہ کے سوا کون جانتا ہے کہ وہ شخص برسرِ حق ہے یا مجنون' جبکہ اس نے اپنی ضمیر کی آواز پر لبیک کہا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ کون کہہ سکتا ہے!

سنوسی رہنما کا سر ایک تکلیف دہ اذیت کے ساتھ دائیں بائیں جھکنے لگا۔ ان کی آنکھیں ان کے خمیدہ اور پرسکون پپوٹوں میں چھپ گئی تھیں اور اچانک مجھے یہ یقین سا ہو گیا کہ اب وہ کبھی شعلۂ امید سے روشن نہ ہو سکیں گی۔

❁❁❁ ضرورت رشتہ ❁❁❁

ارائیں فیملی کی 21 سالہ گریجویٹ دوشیزہ کے لئے دینی مزاج کے حامل لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: 151۔ بی بلاک' آرکیٹیکٹ ہاؤسنگ سوسائٹی' لاہور۔ فون: 5182250

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور —— کے شعبہ سمع وبصر کا قابل قدر کارنامہ

شیخ رحیم الدین

رمضان المبارک وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا۔ اور اس مہینہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس میں اس کی تلاوت کثرت سے کی جاتی ہے۔ دل نرم ہوتے ہیں اور انابت الی اللہ کی کیفیت عام ہوتی ہے۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و بانی تنظیم اسلامی حضرت ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے ترجمہ قرآن کی سی ڈیز کو عامۃ الناس تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا اور اس کی ذمہ داری صدر مؤسس کے فرزند حمید جناب آصف حمید صاحب نے مرکزی انجمن کے ناظم اعلیٰ جناب قمر سعید قریشی صاحب کی سرپرستی میں اپنے سر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو بڑی خصوصیات اور فعالیت سے نوازا ہے۔ انہوں نے ناظم اعلیٰ کی معیت میں جناب اقبال قریشی صاحب مالک قریشی دواخانہ سے ملاقات کی اور اس منصوبہ کی تفصیلات انہیں بتلائیں تو جناب اقبال قریشی صاحب نے اپنے ادارہ کی جانب سے ایک لاکھ روپے اس مد میں عنایت فرمائے۔

قرآن حکیم کا یہ ترجمہ ''بیان القرآن'' کے نام سے دو سی ڈیز پر مشتمل ہے جس کی قیمت خوبصورت کور کے ساتھ 80 روپے ہے۔ مگر فیصلہ یہ کیا گیا کہ اس کی قیمت صرف 20 روپے رکھی جائے۔ اقبال قریشی صاحب کی اس معاونت کی وجہ سے صرف 5000 سی ڈیز اس قیمت میں تیار ہو سکتی تھیں۔ یہ سی ڈیز صرف دو تین دن میں ختم ہو گئیں اور ان کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ اس بات کا علم بانی تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بھتیجے عبداللہ احمد کو ہوا تو انہوں نے اس کارِ خیر میں ایک لاکھ اپنی جانب سے عنایت فرمائے جس کی وجہ سے 5000 سی ڈیز ہنگامی بنیاد پر تیار کی گئیں لیکن یہ بھی اپنی مانگ پوری نہ کر سکیں۔

شعبہ سمع وبصر کی ٹیم نے بیان القرآن کی ان سی ڈیز کی تیاری کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور دن رات محنت کی۔ انجمن اپنے ان کارکنوں کے اس جذبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور اراکین انجمن ان کے لئے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی قبول فرمائے اور دونوں جہاں میں کامیابیاں و کامرانیاں عنایت فرمائے آمین۔

بیان القرآن کی ان سی ڈیز کی تشہیر کے لئے آصف حمید صاحب کے ساتھ ناظم مکتبہ جناب نعیم الدین احمد صاحب نے ایڈ سیلز کے مالک صابر قریشی صاحب سے رابطہ کیا۔ انہوں نے 2 ہورڈنگ لگائے جن میں سے ایک کا سائز 1200 مربع فٹ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ ایثار کو قبول فرمائیں۔

ناظم شعبہ سمع وبصر جناب آصف حمید صاحب کا آئندہ رمضان المبارک میں اس پروجیکٹ کو ایک وسیع پیمانے پر چلانے کا ارادہ ہے جس میں بیان القرآن کے ایک لاکھ سیٹس تیار کرنے کی خواہش ہے۔

یہ پروجیکٹ کلام اللہ کو عام کرنے اور اس کے معانی و مفاہیم کو عامۃ الناس تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گا۔ لیکن اس کے لئے زرِ کثیر کی ضرورت ہوگی۔ جس کے لئے خاص طور پر انجمن کے محسنین و معاونین کو اس مد میں دل کھول کر تعاون کرنا ہوگا۔ جو حضرات بھی حصہ لینا چاہیں وہ ناظم اعلیٰ یا ناظم شعبہ سمع وبصر مرکزی انجمن خدام القرآن سے رابطہ فرمائیں۔

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟

❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟

❁ نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط وکتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس (2) عربی گرامر کورس (I' II' III) (3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز 'قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

پاکستان میں خواتین کے جرائد

سید قاسم محمود

محترمہ سلمیٰ یاسمین نجمی نے اپنے رسالے ''عفت'' کا نعیم صدیقی نمبر برائے تبصرہ کیا بھیجا' کہ بھولی بسری یادوں کا سویا ہوا کارواں یکایک جاگ اٹھا اور پیچھے کی طرف رواں ہوگیا۔ آزادی سے پہلے کی بات نہیں کرتا' قیام پاکستان کے بعد سے اب تک جتنے بھی خواتین کے مطالعے کے لئے رسالے خود خواتین نے' یا مردوں نے شائع کئے ہیں وہ سب یکے بعد دیگرے راقم کی نظر سے گزرتے رہے ہیں۔

ماہنامہ ''عصمت'' خواتین کا سب سے قدیم رسالہ ہے۔ اسے مولانا راشد الخیری نے 1908ء میں جاری کیا تھا۔ اس کا مقصد خواتین کو روشن خیال بنانا اور تعلیم نسواں کو عام کرنا تھا۔ مولانا راشد الخیری کی وفات کے بعد 1936ء میں ''عصمت'' کی ادارت اُن کے فرزند رازق الخیری نے سنبھالی۔ 1947ء میں ''عصمت'' اور رزاق الخیری ہجرت کر کے دہلی سے کراچی آ گئے۔ مولانا رازق الخیری کی وفات کے بعد اس کی زمام ادارت صائمہ خیری نے سنبھالی۔ کافی عرصے سے ''عصمت'' نظر نہیں آیا۔ خدانخواستہ بند نہ ہوگیا ہو۔

لاہور سے ''زیب النساء'' 1934ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد مسلمان خانہ دار خواتین کی ادبی اور سماجی رہنمائی تھا۔ ''زیب النساء'' کے جذباتی و رومانی ادب کو پروان چڑھایا۔ اس میں لکھنے والی خواتین کا مخصوص حلقہ تھا جس میں وحیدہ نسیم' رضیہ بٹ' بشریٰ رحمان' عفت موہانی' سلمیٰ اعوان اور سلطانہ فخر کے نام اہم ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد ''زیب النساء'' بہت مقبول ہوا۔ لیکن اب اس کی اشاعت موقوف ہے۔

لاہور ہی سے ماہنامہ ''حور'' 1940ء میں جاری ہوا تھا اور قیام پاکستان کے بعد خواتین میں خاصا مقبول رہا۔ اس کے مدیرانِ اعزازی میں محترمہ جہاں بانو اور زیب عثمانیہ شامل تھیں۔

1947ء میں ظہیر بدر کی ادارت میں ماہنامہ ''حرم'' جاری ہوا۔ اس کا مقصد خواتین میں نئے احساس کی روح کو بیدار کرنا اور اُن کی ادبی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا اور معاشرے میں ایک باوقار مقام عطا کرانا تھا' لیکن یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے زیادہ تر مرد لکھنے والوں کی مدد حاصل کی گئی۔ ایم اسلم' نظر زیدی' ذوقی مظفر نگری' مظفر عزیز' محمد علی چراغ' اکبر کاظمی' سبطین شاہجہانی' جعفر شیرازی ''حرم'' کے خاص قلم کار تھے۔

1947ء میں ''خاتون پاکستان'' کے نام سے ایک ماہوار رسالہ بڑے طمطراق سے کراچی سے شفیق بریلوی کے زیر ادارت نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس نے 1961ء میں ہر سال ایک ''رسول نمبر'' پیش کرنے کی روایت قائم کی تھی۔ 1964ء میں جو ''رسول نمبر'' شائع ہوا تھا اس کی ضخامت 992 صفحات تھی۔ اس میں لکھنے والوں کے ناموں ہی سے اس کی قدر و منزلت اجاگر ہو جاتی ہے۔ مولانا مودودی' مولانا امین احسن اصلاحی' ملا واحدی' سید حسن مثنیٰ ندوی کے علاوہ سعیدہ عروج مظہر' بیگم ہرمزی قدوائی' ممتاز جہاں بیگم صدیقی وغیرہ شامل ہیں۔

1957ء میں لاہور سے دو رسالے ''بانو'' اور ''بتول'' جاری ہوئے۔ ''بانو'' محمد نعیم شرق پوری کی ادارت میں ادارہ ''شمع'' کے تحت چھپتا تھا۔ ''بتول'' ایک اصلاحی اور دینی جریدہ تھا۔ اس کا مقصد خواتین میں اسلامی تعلیمات اور تہذیب کو فروغ دینا تھا۔ اس کی مدیرہ حمیدہ بیگم اور صفیہ سلطانہ تھیں۔ عفت موہانی' ثریا بتول' سلمیٰ یاسمین نجمی' اُم زبیر اور نیر بانو ''بتول'' میں مستقل لکھنے والیاں تھیں۔ اس پرچے میں مولانا مودودی' اسعد گیلانی اور مریم جمیلہ کے مضامین خصوصیات کے ساتھ پیش کئے جاتے تھے۔

ساٹھ کی دہائی میں ماہنامہ ''تہذیب'' بھی باقاعدگی سے نظر آتا تھا۔ یہ مشہور اشاعتی ادارے شیخ غلام علی اینڈ سنز نے جاری کیا تھا اور عشرت رحمانی اور عصمت بشیر اس کے مدیر تھے۔ یہ خواتین کا معاشرتی اور ادبی جریدہ تھا۔ ساٹھ ہی کی دہائی میں جب ڈائجسٹ سائز کے رسالے مقبولیت عامہ حاصل کرتے چلے گئے تو خواتین ڈائجسٹ' یمن ڈائجسٹ' پاکیزہ ڈائجسٹ اور دوشیزہ ڈائجسٹ بھی نکلے۔ لیکن نقادانِ فن نے ان کو ادب میں شامل نہیں کیا۔

روزنامہ ''مشرق'' کے ادارے کے زیر اہتمام کراچی سے فروری 1966ء میں ہفت روزہ ''اخبار خواتین'' اور اس کے مقابلے میں روزنامہ ''جنگ'' کے ادارے کی جانب سے ''اخبار جہاں'' نکلنا شروع ہوا۔ اسی زمانے میں لاہور سے خواتین کے تین ماہوار جرائد چلمن' آنگن اور عفت برآمد ہوئے۔ چلمن اور آنگن تو بچپن ہی میں فوت ہوگئے۔ ''عفت'' دس بارہ سال برابر چھپتا رہا' بالآخر چھپ گیا' جیسے سورج بادلوں میں آ گیا ہو۔ اب سال دو سال سے پھر ہر ماہ انتہائی باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔

اب کے ''عفت' کی مدیرہ سلمیٰ یاسمین نجمی ہیں جو اس کے دورِ اوّل میں (1955ء تا 1965ء) اس کے لکھنے والوں / والیوں میں شامل تھیں۔ اس رسالے کا مقصد اب بھی وہی ہے جو دورِ اول میں عبدالوحید خان اور حمیدہ بیگم صاحبہ کی ادارت میں تھا' یعنی یہ کہ مسلم معاشرے میں خواتین کے وقار و احترام کو اسلامی قدروں کے مطابق فروغ دیا جائے۔ اس وقت ''عفت'' کو مولانا مودودی' مولانا ماہر القادری' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا کوثر نیازی' مولانا خلیل حامدی' ابن فرید' زیب عثمانیہ' نیر بانو اور نثار فاطمہ کا قلمی تعاون حاصل تھا۔ دورِ جدید کے ''عفت'' کو دینی مزاج رکھنے والے نئے اہل قلم کا تعاون حاصل ہے۔ پہلے والے ''عفت'' اور موجودہ ''عفت' میں اسلام پسندی تو قدر مشترک ہے' لیکن ایک نمایاں فرق بھی ہے۔ سابقہ ''عفت'' میں تحریکیت زیادہ تھی اور ادبیت کم۔ موجودہ ''عفت'' میں ادبیت زیادہ ہے اور تحریکیت کم' اور تحریکی مضامین نظم ونثر میں بھی رنگ ادب ہی کا جھلکتا ہے۔ اس فرق کی وجہ خود مدیرہ سلمیٰ یاسمین کی جولانی طبع ہے۔ وہ ناول نگار بھی ہیں' افسانہ نگار بھی' طنز نگار بھی' مزاح نگار بھی' سنجیدہ نگار بھی' یعنی نگارش کی جتنی طرزیں قدماء نے ایجاد کر رکھی ہیں' وہ سب اُن کے ناخن تدبیر میں آ کر جمع ہوگئی ہیں۔

''عفت'' دو ڈھائی سال سے انتہائی باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے' جس نے سالنامے شائع کرنے کی روایت قائم رکھی ہے۔ گزشتہ برس معرکے کا ''حیا نمبر'' پیش کیا تھا۔ اس برس مولانا نعیم صدیقی مرحوم کی پہلی برسی کے موقع پر ایک یادگار ''نعیم صدیقی نمبر'' پیش کیا ہے' جس میں میاں طفیل محمد' حکیم سرو سہارن پوری' کمال سالار پوری' عرفان صدیقی' قاضی عبدالقادر' حفیظ الرحمٰن احسن' پروفیسر عنایت اللہ خان اور مولانا مرحوم کے بیٹوں اور بیٹیوں مصباح الایمان' نوید اسلام' مقصود' شمیلہ تنویل کی غم ناک' یاد آور تحریریں شامل ہیں۔ مولانا نعیم صدیقی کی تحریکی نظمیں اور مضامین کا انتخاب بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس خصوصی اشاعت کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ ''عفت'' نے خواتین کی ادبی صحافت میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے ہیں۔ خدا کرے یہ قدم جمے نہ رہیں' بلکہ چلتے بھی رہیں' آگے کی طرف' ہمیشہ آگے کی طرف۔ ''عفت'' کو خط لکھنا ہو تو پتا آسان ہے۔ معرفت پوسٹ بکس 452۔ راولپنڈی صدر۔ (تبصرہ نگار: سید قاسم محمود)

believe that the US was founded on the basis of individual liberty, however, "in the 20th century, our country has moved in an opposite direction. Operating through the IRS, DEA, ATF, INS, FDA, FTC , and a multitude of other bureaucracies, our government has waged immoral and destructive wars on our freedom, our property, and our well-being."[11]

Through studies and analysis they have concluded that their lives are governed by modern day Pharaohs.

The United States government has the same economic control over the American people as the pharaoh had over his people. The lives and incomes of the citizenry belong to the national government. Our political masters decide how long we must work for them and how long we can work for ourselves... Americans say, "But we have the right to elect our governmental officials, while the Egyptians did not." However, the right of a serf to elect his taskmaster does not change the reality of his condition...Americans point to their high standard of living and proclaim, "We are free. We are free. We are free." Their perspective is simply a delusion. In the old South, there were slaves who had it better than other slaves. There were the nannies who took care of the white children. There were the carriage drivers who drove their masters to the townships. Others did not have privileged positions — they toiled in the fields. But privileged or not, slaves were slaves.[12]

The 9/11 Truth-diggers

Mush to the dismay of the so-called mainstream media, the 9/11 Truth Diggers are working day and night to prove that 9/11 was the handy work of the US government. As opposed to the US government mere claims that Muslims were behind 9/11, these individuals and organizations have come up with unimaginable amount of hard evidence to prove conclusively their point of view.[13] No one dares to answer the questions they raise. Instead their questions and the evidence they unearth from the video tapes released by CNN, ABC and other such sources is belittled and discredited with the fig leaf of "conspiracy theories."[14]

Identifying the real culprits behind 9/11 is of paramount importance for the reason that whoever was behind 9/11 are the real enemies of the humanity. 9/11 has become the defining crime. It is increasingly becoming difficult for the pseudo-mainstream to ignore the facts presented on these web sites and try to reject them with the two word defense: "conspiracy theories." The fig leaf of "conspiracy theories" is hardly enough to blind a nation and the whole world to the reality they see with their eyes for too long. It is very unfortunate for those who believe and try to make other believe in Washington's story about 9/11 because they can discredit words as foolish theories but they don't know what to do with the videos and pictures that totally negate the official version of what happened on 9/11.

Active individuals

Capable individual-truth-seekers are busy on their own to keep the public informed. Internet has become a blessing for them where they can launch various centers for Informed American, like that of David McGowan (http://davesweb.cnchost.com), Jeff Rense (http://www.rense.com), Michael Rivera (www.whatreallyhappened.com). Others, such as Angel Fire (http://www.angelfire.com/nj/jhgraf/anidall.html) and Information Cleaning House (http://www.informationclearinghouse.info/who.htm) are doing tremendous work to expose the sinister alliance between the mainstream media and the ruling elite. They are providing the actual perspective of the global and local issue. If it were not for the fear of these organizations, the would may never have known the atrocities and human right abuses in the US concentration camps such as Abu Ghraib and Camp x-ray.

Those exposing hidden sources of power

There are individuals and groups who not only prove that 9/11 was just another milestone on the road to total tyranny,[15] but also show that politicians worldwide are under the control of some hidden forces (the Illuminati, Skull and Bone and free masonry.) Well-educated Americans and many government officials are busy in making it quite clear that the Illuminati are not some "fictitious" group for conspiracy theorist nut cases to hang their hats on and have wild imaginings about. They are very real and their goal of "New World Order/One World Government" was well known back in the late 1700's and early 1800's. Just as George Bush Sr. referred to a "New World Order" back in the late 1980's, early 1990's, so did Adolph Hitler refer to "New World Order."

The beauty of this information, which has so far been rejected as conspiracy theories, is that gradually these are becoming part of mainstream media. Not everything can be shelved under the lable of conspiracy theories. Information about 9/11 is so transparent that it is becoming too much for the so-called mainstream media to ignore and reject as conspiracy theories. The alternative media networks (read the real-mainstream) have been talking about Bush families connections to Hitler since long (http://www.spiritone.com/~gdy52150/timeline.html). However, the mainstream media just recently surrendered to include this information to their records.[16]

Reformist Voices within the government

There are voices of dissent within the government circles. At the one end, Congressman Ron Paul of Taxes goes to link paper money to tyranny (http://www.house.gov/paul/congrec/congrec2003/cr090503.htm) and on the other is Rep. Cynthia McKinney who challenges the US government's claim that it did not know anything in advance about 9/11 and also questions the motives behind the so-called "war on terrorism."[17]

All those who are having the alternative views to the over and cover neo-cons are of two major types:

a) those who are still under partial influence of the pseudo-mainstream and those who are fee of it. Alex Jones, et al fall in the first category, who believe the US government is imposing a Global World Order; a police sate is in place, all the terrorist acts have been committed with the full knowledge and support of the federal government but Middle Eastern were used to do the job. The amount of evidence which this group unearths about the federal government's involvement in 1993 attack on WTC, Oklahoma City Bombing and WTC, however, is amazing.

b) those who are totally free from the influence of the pseudo-mainstream. Dave vonKleist of the www.thepowerhour.com and other thinking on the same line however come out with irrefutable evidence that 9/11 is absolutely not the job of a few box-cutters-armed hijackers. It is nothing to do with Islam, ideology or Muslims.

The group that is totally free from the influence of the pseudo mainstream weaves several key moments of live, un-retouched film footage regarding the events of Sept. 11 into a crystal clear picture of official deception. This group raises the following serious questions about the government's honesty in conducting the 9-11 investigation. They ask:

How does a plane over 44 feet tall, fit into a hole which is only 16 ft. in diameter, as shown in the crystal-clear photographic evidence taken at the Pentagon? See the astonishing evidence for the first time.

Why does photographic evidence taken moments after the event, show no wreckage on the lawn of the Pentagon?

Why weren't America & the world shown the video & photos of the Pentagon, before the outer wall collapsed?

Why is there a "pod" attached to the bottom

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 44

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

The war within America III

The Setting: Shared Vision, Different Approches

America's current crisis has two main components: It has marked by a long period of political stagnation and comparative feeling of invincibility Although elections take place after set intervals, but the core system remains what its founding fathers set in place more than 200 years ago. The system has some inherent flaws which have been exploited by elites and their corporate backers to the extent of transforming the US into a perfect two indistinguishable-parties dictatorship. Many different solutions for reducing the government are proposed without success; and this has led to frustration and anger. [8] At the same time, the United States has fallen out of step with contemporary global culture and international law, as well as moving increasingly to remake the world in the image of dominant forces in the American society.

Americans disagree on what to do about this, on what has caused it, and on what their governing system and society ultimately should look like. We can distinguish four essential positions, as the following paragraphs describe.

The neo-cons put forth an aggressive, expansionist version of America that does not shy away from violence, deception and outright lies. They have gained political power and then to impose an order in the name of democracy and liberation, forcibly on as broad a population worldwide as possible. Their target and unit of reference is not the nation-state or the ethnic group, but the world, particularly Muslim community, the ummah; occupying a few Muslim countries and supporting their puppets in others is a step on this path but is not the main goal. They are now vastly viewed as the enemies of truth.[9]

We can distinguish two strands within neo-cons. One, which openly displays that it is grounded in theology and tends to have some roots in one or another kind of religious background and work towards fulfillment of some prophesies. Evangelicals and their political counterparts such as Bush are part of their overt-neo-cons. They are much less concerned with the much vaunted human right, liberation and democracy, with which they deliberately take considerable liberties.

Covert Neo-cons

On the other hand there are others who present themselves as liberal and secular minded politicians and political analysts but they share the same view with regard o the need of countering Islam's way of life and dominating the world with force. These are covert neo-cons with the only difference that they do not parade their religious affiliations. They do not show that religious prophesies are the base of their policies, particularly in the Middle East. A majority of analysts working for the New York Times (Friedman, David Brooks, William Safire), Washington Post (Jim Hoagland, Charles Krauthammer), Washington Times (Diana West, Tony Blankley), Times, Newsweek and other major print and electronic media and think tanks fall in this category. They usually do not have any "institutional" religious affiliations but tend to be eclectic and autodidactic in their knowledge of Christianity and Judaism.

Overt Neo-cons

The overt-neo-cons do not merely approve of the terminology and practice of Crusades of the past. More significantly, they expand on them, applying some of the more stringent demands for changing Muslims way of life than the original Crusaders ever did, exercising an arbitrary selectivity that allows them to ignore or drop international law, Geneva conventions, and UN resolutions, and inventing some new rules of their own. This is particularly true of the overtly radical neo-cons. Not all neo-cons embrace or even endorse terrorism, at least not the indiscriminate type of terrorism that targets civilians and children. Like Madeline Albright they do not openly say that the price of starving half a million children to death is worth the struggle to impose the neo-cons vision of the Middle East, but neo-conism as a whole is incompatible with the values of civil society and the so-proclaimed vision of civilization, political order, and society.

Together these two types of neo-cons have brought America to its knees. They are a ruthless band of fundamentalist religious fanatics that respect no international laws and seem destined to cause only death, misery, and destruction. They strike without warning using stealth, torture, lies, and deception to rain down violence without regard to innocent lives lost. They cynically exploit the World's media. They constantly invoke the name of their God, to justify every cruel act for their holy cause. They'll use and sacrifice innocent believing kids as warriors. Most of the world already hates and fears them, and no country on Earth is safe from their rage or terror.

In short, the mainstream politics and the mainstream media are actually the pseudo-mainstreams. They simply present the same wine in different bottles. The core objective remains the same: eliminate from their hearts and minds the terror of a system which they believe may one day undermine their interests if their subjects ever come to know that a superior workable model exists. They are afraid that if such an alternative model is allowed to take roots, their subject will realize by comparison that they have been taken for a ride in the name of democracy while experiencing the most perfect tyranny of human history.

THE ALTERNATIVE WITHIN AMERICA

While the pseudo-mainstream outlets can be counted on finger-tips, the real real-mainstream outlets are so far diverse and countless. The crux of their message, however remains the same: there is no democracy and freedom in the US; people have been taken for a ride; a perfect police state is well in place in the US; the government is behind all terrorism from 1993 bombing of WTC to Okalahoma City Bombing to 9/11.

The freedom lovers (Reformists)

The Libertarians believe the answer to America's political problems is the same commitment to freedom that earned America its greatness; a dedication to civil liberties and personal freedom and a foreign policy of non-intervention, peace, and free trade as prescribed by America's founders. Independent analysts behind endeavors such as Strike the Root and the Future of Freedom Foundation are working with the mission to advance the cause of liberty, primarily by de-mystifying and de-legitimizing the State."[10]

These individuals and organizations are working for limited government. They